قطب شاہی دور کا فارسی ادب

از

اختر حسن، ایم اے

جنرل ایڈیٹر

خواجہ محمد احمد، ایم اے

آنریری جنرل سکرٹری و ڈائرکٹر ابوالکلام آزاد اورنٹیل ریسرچ انسٹیٹیوٹ

قطب شاهی دور کا فارسی ادب

مصنف	اختر حسن
مطبع	انتخاب پریس - حیدرآباد
اشاعت	دسمبر ۱۹۷۳ء
تعداد	۵۰۰
ناشر	ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ - حیدرآباد
ملنے کا پتہ	ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ - باغ عامہ حیدرآباد

UTTAR PRADESH

RAJ BHAVAN
LUCKNOW

۵ دسمبر ۷۳ع

مولانا آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی یہ کوشش رہی ہے کہ اپنے ملک کے قابل افراد کی خدمات حاصل کرے اور قدیم ادب کے شاہکاروں کو منظر عام پر لائے - اس کوشش کی ایک کڑی جناب اختر حسن صاحب کی تصنیف « قطب شاہی دور کا فارسی ادب » ہے جو صاحب موصوف نے بڑی محنت اور کاوش سے تحریر فرمائی ہے - میں زائد از تیس سال سے اختر حسن صاحب سے واقف ہوں - ان کی علمی دلچسپی اور صحافت میں انکی کوشش ہمیشہ خراج تحسین حاصل کرتی رہی ہے - مجھکو یقین ہے کہ صاحب قلم حضرات اس تصنیف کو تحقیقی اور بلند پایہ پائینگے - میں خوش ہوں کہ اختر صاحب نے ہماری درخواست قبول کی اور یہ کتاب تصنیف کی - مجھکو امید ہے کہ انکی علمی مساعی میں روز افزوں ترقی ہوگی - ان کی صحت اور درازی عمر کیلئے میری نیک تمنائیں حاضر ہیں -

اکبر علی خاں
گورنر اتر پردیش
پریسیڈنٹ

ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
باغ عامہ - حیدرآباد ۵۰۰۰۰۴

پیش لفظ

قطب شاہی سلاطین نے دکن مین کم و بیش دو سو سال حکومت کی - انکے زیر اثر علوم و فنون کو معتدبہ ترقی ہوئی - تلگو زبان کی جو سرپرستی سلاطین اورامراء نے کی اسکا تفصیلی حال اس ادارہ کی شائع کردہ انگریزی کتاب « تلگو لٹریچر انڈر دی قطب شاہیز » مصنفہ شریمتی ای واسومتی ایم-اے مین درج ہے -

اب ادارہ کی جانب سے اس سلسلے کی دوسری کتاب «قطب شاہی دور کا فارسی ادب » اردو مین شائع کی جارہی ہے - اسکی تصنیف مین جناب اختر حسن صاحب ایم-اے نے بڑی محنت - کاوش اور جستجو سے کام لیا ہے - موصوف کسی تعارف کے محتاج نہیں ہین - آپ نے عثمانیہ یونیورسٹی مین اردو اور فارسی کے لکچرار کی حیثیت سے کوئی آٹھ برس کام کرنے کے بعد ملازمت سے مستعفی ہوکر صحافت کے میدان مین قدم رکھا اور ۴ ء سے ۱۹۵۶ء تک روز نامہ « پیام » نکالتے رہے - ۱۹۵۲ء کے پہلے عام انتخابات میں حلقہ جنگاون سے اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۸ء تک عثمانیہ یونیورسٹی سنیٹ کے منتخب رکن اور عثمانیہ یونیورسٹی فینانس کمیٹی کے نامزد رکن کی حیثیت سے خدمت انجام دی - کچھہ مدت تک سالار جنگ لائبریری کے شعبۂ مخطوطات سے بھی وابستہ رہے اور فارسی شاعری کے ایک ہزار سے زیادہ نایاب مخطوطات کی تفصیلی فہرست مرتب کی - ۱۹۶۷ء مین اردو « بلٹز » (بمبئی) کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور ۱۹۷۱ء سے آندھراپردیش کے محکمۂ اطلاعات و تعلقات عامہ مین اسسٹنٹ ڈائریکٹر (اردو) کی حیثیت سے کارگذار ہین - آپ کے تہذیبی اور تحقیقی مضامین اردو کے معیاری رسائل واجرائد میں شائع ہوتے رہتے ہین - ڈاکٹر سید عبداللطیف کی کتاب

"Concept of God in Islam" کو آپ نے «قرآن کا تصور الٰہ» کے نام سے اردو مین منتقل کیا۔ یہ کتاب اسلامک اسٹڈیز حیدرآباد سے کئی سال قبل شائع ہوچکی ہے ۔ ادارے کو قوی توقع ہیکہ موصوف کی یہ ادبی و تحقیقی کاوش قطب شاہیون کے دارالسلطنت گولکنڈہ و حیدرآباد مین فارسی زبان و ادب کے فروغ کو منظر عام پر لائیگی اور قطب شاهی دور کی تاریخ ۔ معاشرت ۔ ثقافت اور علمی و ادبی روایات کو اجاگر کریگی ۔

خواجہ محمد احمد

آنریری جنرل سکریٹری و ڈائریکٹر

ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹیٹیوٹ

باغ عامہ ۔ حیدرآباد ۔ ۵۰۰۰۰۴

قطب شاهی دور کا فارسی ادب

فہرست مضامین

عنوان		صفحہ
تعارف	میر اکبر علی خان صاحب گورنر اُتر پردیش صدر انسٹی ٹیوٹ	
پیش لفظ	خواجہ محمد احمد ام ۔ اے جنرل سکریٹری و ڈائرکٹر	
حرف آغاز	اختر حسن	
تمہید ۔ جنوبی ہند کی تاریخ کا ایک ورق		۱
قطب شاهی خاندان کی تاریخ به یک نظر		ت
سلطان قلی کی دکن میں آمد		ٹ
بہمنی سلطنت کا خاتمہ		ج
بہمنی سلطنت کا علمی اور تہذیبی ورثہ		چ
باب اول		
سلطان قلی قطب الملک سے ابراہیم قطب شاہ تک		
سلطان قلی قطب الملک		۱
جمشید قلی		۵
جمشید کا کلام		۹
ابراهیم قلی قطب شاہ		۱۳
قاسم طبسی		۱۷
وفا خان		۲۴
میر تقی الدین الشہیر به میر شاہ		۲۵

باب دوم

محمد قلی قطب شاہ کا عہـــد

محمد قلی قطب شاہ کا عہد ۲۸
محمد قلی قطب شاہ کی شاعری ۳۱
ملک الشعراء اسد اللہ وجہی ۳۸
مرزا محمد امین میر جملہ شہر ستانی المتخلص بہ روح الامین ۴۹
روح الامین کی شاعری ۵۹
روح الامین کی مثنویاں ۶۶
شیرین خسرو ۶۸
مطمح الانظار ۶۸
لیلیٰ مجنون ۷۰
آسمان ہشتم ۷۱
حسین بن علی الفرسی ۷۳
میر محمد مومن ۸۰
میر محمد مومن کی شاعری ۸۳
حاجی ابرقوئی ۸۸
کامی شیرازی ۹۲
شریف کاشانی ۹۹
میرک معین سبزواری ۱۰۱
مسیحا کاشی ۱۰۴
محسن ہمدانی ۱۰۵
دوسرے شعرا :- ۱۰۶
وحشی کاشی - فکری - منصف - سراج الدین عارف
میر حسن عسکری

باب سوم

سلطان محمد قطب شاہ ۱۰۸
تاریخ سلطان محمد قطب شاہی ۱۱۵
حسینی الحسینی الطیسی ۱۲۲
ادائی یزدی ۱۲۵
مجد الدین محمد ۱۲۸
مراد اصفہانی ۱۳۱
صالی اردستانی ۱۳۳
عشرتی یزدی ۱۳۳
کوکبی ۱۳۴

باب چہارم

عبد اللہ قطب شاہ کا عہد

عبد اللہ قطب شاہ ۱۳۷
نظام الدین احمد الصاعدی ۱۴۲
محمد حسین تبریزی ۱۴۳
کاظم حسینی کریم ۱۴۸
عبد اللہ امانی ۱۵۲
محمد علی جبل رودی ۱۵۴
الفتی ساوجی ۱۵۵
فرج اللہ شوستری ۱۵۹
محمد شاہ جامی ۱۶۲
حاجی عبد العلی طالقانی ۱۶۴
میر رضی دانش مشہدی ۱۶۵
ابن عماد روز بہان اصفہانی ۱۷۱
رونقی ہمدانی ۱۷۲
قسمت مشہدی ۱۷۴
سالک یزدی ۱۷۵
خاقی شوستری ۱۷۹
بیان اصفہانی ۱۸۰
مرزا حمزہ استرآبادی ۱۸۱
علامہ ابن خاتون العاملی ۱۸۳
رضاقلی بیگ ۱۸۹

آذر ساسانی موبد ۱۹۲
سعید کاشانی سرمد ۱۹۳

باب پنجم

قطب شاهی سلطنت کا زوال اور خاتمہ

ابوالحسن قطب شاہ ۱۹۵
علی بن طیفور بسطامی ۱۹۷
وحشی کاشانی ۲۰۰

کتابیات ۲۰۱

حرف آغاز

ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ارباب بست وکشاد نے جب یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ قطب شاہی دور کے فارسی ادب پر مجھے ایک تحقیقی مقالہ لکھنا ہے تو کسی پس و پیش کے بغیر میں نے اس ذمہ داری کو قبول کرلیا لیکن جس وقت میں نے اپنے کام کا خاکہ بنایا اور ضروری وسائل کا جائزہ لیا تو مجھے اندازہ ہواکہ میرا سفر کتنا کٹھن اور دشوار گذار ہے۔ عنوان کا پہلا تقاضا یہ تھاکہ تقریباً دوسو برس کی طویل مدت پر مشتمل قطب شاہی دور کی علمی ادبی اور تہذیبی تاریخ کے ہزاروں منتشر اوراق الٹے جائیں اور ان میں سے ایسے اجزاء کو الگ کیا جائے جو میرے مقالے سے متعلق ہوں اور پھر ان کی شیرازہ بندی کی جائے۔

بہرحال میں نے کام شروع کردیا لیکن جیسے جیسے تلاش و تحقیق کے راستے پر میں آگے بڑھتا گیا متعدد دشواریوں کے ساتھ ساتھ نارسائی کا یہ احساس بھی فزوں تر ہوتا گیا کہ جس عنوان پر مجھے قلم اٹھانا ہے اسکے بیشتر مآخذ لندن۔ پیرس۔ برلن۔ تاشقند۔ طہران۔ رامپور۔ پٹنہ اور کلکتہ کے کتاب خانوں میں محفوظ ہیں اور میری پہنچ ہے لے دے کر حیدرآباد کے کتاب خانۂ آصفیہ۔ کتاب خانۂ سالارجنگ اور بعض خانگی کتاب خانوں تک۔

ایک اور مشکل یہ تھی کہ کسی صاحب تحقیق نے بھی اب تک جنوبی ہند میں فارسی زبان و ادب کی رفتار ترقی کا سیر حاصل جائزہ نہیں لیا تھا درآنحالیکہ قرون وسطے میں فارسی زبان و ادب کو جو فروغ حاصل ہوا تھا خصوصاً گولکنڈہ کے قطب شاہی دور میں فارسی کے شاعروں انشا پردازوں اور لغت نگاروں نے جو بیش بہا تخلیقی خدمات انجام دی تھیں نیز ایک ملی جلی تہذیب کی تعمیر میں جو گرانقدر حصہ لیا تھا کسی عنوان بھی اسے فراموش نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اصحاب تحقیق اور ارباب

قلم نے - یہاں تک کہ « شعر العجم » کے بزرگ و محترم مصنف شبلی نعمانی نے بھی جنوبی ہند کے علمی اور ادبی تاریخ کے اس سنہرے عہد کو درخور اعتنا نہیں سمجھا - اسکی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ جس زمانے میں شبلی شعر العجم لکھہ رہے تھے اس وقت تک گولکنڈہ کا علمی اور ادبی ذخیرہ پردۂ تاریکی میں تھا اور شبلی سے پہلے کے مؤرخوں اور تذکرہ نگاروں نے بھی اسے منظر عام پر لانے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی تھی - دوسری اہم وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ قطب شاہی سلطنت کے سقوط کے بعد دکن میں کچھہ ایسی افراتفری پھیل گئی تھی کہ تقریباً ایک صدی تک یہاں کی علمی اور ادبی محفلیں سنسان رہیں اور اس دوران میں گولکنڈہ اور حیدرآباد کا بیش قیمت علمی اور ادبی سرمایہ یا تو دستبرد زمانہ کی نذر ہوگیا یا پھر کسی نہ کسی طرح بیرونی ملکوں کے کتاب خانوں میں پہنچ گیا -

کچھہ دنوں کی کاوش پیہم کے بعد جب یہ مایوس کن صورت حال میرے سامنے آئی تو اسکے علاوہ اور کوئی چارۂ کار میرے لئے نہیں رہ گیا تھا کہ حیدرآباد کے چند کتاب خانوں اور بیرونی ملکوں کے کتاب خانوں کی توضیحی فہرستوں پر تکیہ کروں اور انہیں محدود وسائل کی مدد سے جو کچھہ بھی میسر آجائے اسے یکجا کردوں -

علمی اور ادبی تحقیق کا کام جتنا خشک - محنت طلب اور جان ستان ہوتا ہے بعض مرحلوں پر اتنا ہی دلچسپ حیرت انگیز اور حوصلہ افزا بھی بن جاتا ہے - دوران تحقیق میں جب اچانک کسی پیچیدہ سلسلہ کی کوئی گمشدہ کڑی ہاتھہ آجاتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی چٹیل ریگستان میں دفعتاً ایک نخلستان ہمارے سامنے لہلہا اٹھا ہے - زیر نظر مقالے کی ترتیب و نگارش کے دوران میں ایسے کئی نشاط انگیز مواقع مجھے میسر آئے - مثلاً جب محمد قلی قطب شاہ کے ملک الشعراء وجہی کا نایاب فارسی دیوان دستیاب ہوا اور اسکے مطالعہ سے وجہی کے بارے میں بعض نئی اور اہم معلومات کے علاوہ ایک مقطع میں « قطب مشتری » اور « سب رس » کے اس زندۂ جاوید مصنف کے صحیح نام کا بھی پتہ چلا تو میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی - اسی طرح قاسم طبسی - فرسی - روح الامین اور دوسرے متعدد گمنام لیکن قدآور شاعروں انشا پردازوں اور لغت نگاروں کے بارے میں بھی بہت سی ایسی معلومات حاصل ہوئیں جو اب تک یا تو مختلف تواریخ اور تذکروں میں منتشر تھیں یا مخطوطات کے تہ خانوں میں مدفون تھیں - اور اس طرح جیسے جیسے میرا کام آگے بڑھتا گیا اپنے کام سے میری دلچسپی میں اضافہ ہوتا گیا لیکن قدم قدم پر یہ خیال بھی مجھے ستاتا رہا کہ ایفائے عہد کا وقت قریب سے قریب تر آتا جارہا ہے - اتنے بڑے کام کے لئے بارہ مہینوں کی مختصر سی مدت جیسے چشم زدن میں گذر گئی -

عبارت مختصر - زیر بحث مقالہ کتابی شکل میں پیش خدمت ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس مقالے کے تعلق سے ناتمامی کا جو شدید احساس میرے دل میں ہے - میرے باشعور قارئین بھی یقیناً اس تجربے سے گذریں گے تاہم مجھے اطمنیاں اس بات کا ہے کہ تقریباً سوا دو سو صفحات پر پھیلا ہوا یہ خام مواد اپنے اندر ایسے بہت سارے حوالے - کنائے اور اشارے رکھتا ہے جو اس موضوع پر کام کرنے والے تازہ وارد اہل قلم کے لئے نشان راہ بن سکتے ہیں -

اس چھوٹی سی کتاب میں قطب شاہی دور کے پچاس سے زیادہ فارسی شاعروں ، انشا پردازوں اور لغت نگاروں کے سوانح حیات اور ان کے تخلیقی کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے - اور بلا شبہ ان میں کئی نام جیسے قاسم طبسی اسد اللہ وجہی - روح الامین - فرسی - میر محمد مومن - کاظم حسینی کریم - نظام الدین احمد الصاعدی - محمد حسین تبریزی اور علی بن طیفور بسطامی وغیرہ کے نام - ایسے بھی ہیں جن پر مبسوط تحقیقی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں - کیونکہ ان کی ادبی تخلیقات نہ صرف فارسی زبان و ادب کی تاریخ کا ایک قیمتی سرمایہ ہیں بلکہ ہمارے ملک کے ادبی اور تہذیبی ورثے کا بھی ایک گرانقدر حصہ ہیں -

ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ارباب کار ۔ خصوصاً صدر ادارہ جناب میر اکبر علیخان صاحب (گورنر اتر پردیش) جناب ایل ۔ این گپتا صاحب چیرمن ۔ جناب محامد علی عباسی صاحب وائس چیرمن اور ادارہ کے معتمد اور ڈائرکٹر جناب خواجہ محمد احمد صاحب کے التفات خاص کا میں تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اگر ان کا لطف وکرم شامل حال نہ ہوتا تو نہ جانے کب تک یہ کتاب دن کی روشنی نہ دیکھہ سکتی ۔

اختر حسن

قطب شاہی دور کا فارسی ادب

تمہید

جنوبی ہند کی تاریخ کا ایک ورق

دکن کا وہ علاقہ جسے اب آندھرا پردیش کا نام دیا جاتا ہے اپنی ایک قدیم اور عظیم تاریخ رکھتا ہے ۔

تیسری صدی ق م میں موریا سلطنت کے یونانی سفیر نے آندھراوں کی طاقت و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " یہہ ایک بڑی طاقتور قوم ہے جس کے قبضۂ اقتدار میں ۳۰ شہر اور ہزاروں قصبات شامل ہیں ۔ اپنے شہروں کی حفاظت و مدافعت کے لئے آندھراوں نے مضبوط گنبد اور فصیلیں بنا رکھی ہیں ان کی زبردست فوج ایک لاکھہ پیادوں ، دو ہزار سواروں اور ایک ہزار ہاتھیوں پر مشتمل ہے" آندھرا کی تاریخ میں کئی مرحلے ایسے آئے جبکہ اس علاقہ کو شمالی ہند کی سیاسی طاقتوں کے آگے جھکنا پڑا تاہم آندھرا کے باشندوں نے اپنی نسلی اور قومی وحدت کو بہ حال ہمیشہ برقرار رکھا اور اپنی تہذیبی روایات کے تسلسل کو ختم نہیں ہونے دیا ۔

چودھویں صدی عیسوی کے اوائل میں شمالی ہند کے مسلمان حکمرانوں نے جنوبی ہند پر فوج کشی کی اور آندھرا کے بہت بڑے علاقہ پر اپنا اقتدار قائم کرلیا اس وقت یہاں کاکتیا خاندان کی حکمرانی تھی جن کا پایہ تخت ورنگل تھا ۔ پہلے خلجیوں نے یورش کی

اس کے بعد خاندان تغلق کے بادشاہوں نے یلغار کی اور کاکتیا سلطنت کا شیرازہ درہم و برہم کردیا - یہاں تک کہ ۱۳۲۳ع میں جنوبی ہند کی یہہ عظیم الشان سلطنت دھلی کی شہنشاہیت کا ایک حصہ بن گئی -

یہیں سے دکن کی سیاسی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے جسے ہندوستان کی تاریخ کا دور وسطی کہا جاتا ہے -

شمالی ہند کے سیاسی تسلط و اقتدار کے باوجود ، آندھراوں نے اپنے پرانے اداروں اور اپنی قدیم روایات کو باقی رکھا اور اپنی قومی خصوصیات کو محو نہ ہونے دیا - البتہ شمالی ہند کے زیر اثر ان کی تہذیب و معاشرت کی روایات میں اور زیادہ دلآویزی پیدا ہوگئی -

دھلی کے تغلق حکمران زیادہ دنوں تک اس علاقہ پر اپنے اقتدار کو قائم نہ رکھہ سکے اور ۱۳۴۷ع میں حسن گنگو بہمنی نے شمالی ہند سے رشتہ توڑ کر جنوب میں ایک آزاد اور خود مختار سلطنت کی بنیاد ڈالی جو تاریخ میں بہمنی سلطنت کے نام سے مشہور ہوئی -

بہمنی سلطنت کے اٹھارہ حکمرانوں نے (۱۳۴۷ع تا ۱۵۱۸ع) کوئی پونے دوسو برس تک حکومت کی - بہمنیوں کے دور حکومت میں آندھراوں کو اپنی قدیم روایات اور تہذیبی خصوصیات کی بقاء و حفاظت کے لئے سازگار فضا میسر آئی جس کا ایک سبب تو یہہ تھا کہ بہمنی حکمران اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں پورے آندھرا پردیش خصوصاً اس کے ساحلی علاقوں پر اپنی گرفت مضبوط نہ کرسکے تھے اور دوسری وجہہ یہہ تھی کہ بہمنی فرمانرواوں کا نظم و نسق اور ان کا طرز حکومت آہستہ آہستہ خود یہاں کے مقامی سانچوں میں ڈھلتا جارہا تھا - اس کے علاوہ سب سے بڑی وجہہ یہہ تھی کہ بہمنی بادشاہوں نے اپنی مملکت کو لسانی بنیادوں پر تین یا چار صوبوں میں تقسیم کردیا تھا

جس کی بدولت تلنگی بولنے والوں کو اپنا ایک علحدہ صوبہ حاصل ہوگیا تھا جس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ آندھراوں کی جداگانہ وحدت برقرار رہی اور آندھرا پردیش کے باشندوں کو اپنی زبان اور اپنے قومی کلچر کو فروغ دینے کا بہت عمدہ موقع میسر آیا - آندھراوں کی قومی اسپرٹ بیرونی محکومی کو برداشت نہ کرسکتی تھی ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوے انہوں نے پوری قوت کے ساتھہ اپنی آزادی کی جد و جہد شروع کی جس کا نتیجہ جنوبی ہند میں وجیا نگر کی آزاد اور طاقتور سلطنت کی شکل میں نمودار ہوا -

وجیا نگر کی مطلق العنان سلطنت بہمنیوں کے دور حکمرانی میں ہی ایک تاریخی حقیقت بن چکی تھی - جنوبی ہند کی اس طاقتور سلطنت نے بہمنیوں کی طاقت و قوت کے محل میں شگاف پیدا کردیا اور رفتہ رفتہ پوری بہمنی سلطنت میں انتشار اور طوائف الملوکی کی ہوا چلنے لگی بہمنی بادشاہوں کے آخری پچاس برسوں میں سلطنت کے مختلف صوبیداروں نے یکے بعد دیگرے اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا - اور اسطرح سولھویں صدی کے اوائل میں جنوبی ہند کا علاقہ پانچ آزاد سلطنتوں میں تقسیم ہو گیا جو ہندوستان کی تاریخ میں عادل شاہی ، نظام شاہی ، عمادشاہی، برید شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں کے نام سے مشہور ہوئیں -

قطب شاہی سلطنت کے بانی سلطان قلی قطب الملک نے سب سے آخر میں اپنی خود مختاری کا اعلان کیا - بہمنی خاندان کے آخری فرمانروا محمود شاہ ثانی نے سلطان قلی کو اپنی سلطنت کے علاقہ تلنگانہ کا گورنر مقرر کیا تھا - وہ عملاً اس علاقہ کا ایک مطلق العنان حاکم تھا - لیکن محمود شاہ ثانی کے انتقال (۹۲۴ھ - ۱۵۱۸ ع) سے قبل اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان نہیں کیا - اسے (۹۰۱ھ) میں گولکنڈہ کا صوبیدار مقرر کیا گیا تھا - اس نے (۹۰۱ ھ سے ۹۲۴ھ) تک بہمنی سلطنت کے صوبہدار کی حیثیت سے اور پھر ۹۲۴ھ سے ۹۵۰ھ (۱۵۴۳ھ) تک ایک خود

مختار بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کی ۔ اسطرح تقریباً (۶۰) برس تک وہ گولکنڈہ کا حاکم مطلق بنا رہا ۔ اعلان خود مختاری کے بعد اسکی بادشاہت کے ۳۰ برس اس اعتبار سے بہت اہم تھے کہ اسی زمانہ میں اس نے گولکنڈہ کی سلطنت کو ایک منظم اور مستحکم مملکت کی شکل عطا کی ۔ اس دوران میں اسے بیسوں جنگی مہمات سر کرنا پڑیں اور دکن کی الجھی ہوی سیاست کو سنوارنے اور بنانے میں اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کرنا پڑا ۔ وہ ایک صاحب فکر و فراست انسان تھا ۔ اس نے اپنی اولوالعزمی ، ہمت اور دانائی سے اپنے ہر ارادہ اور اقدام میں کامیابی حاصل کی اور جس وقت ۹۹ سال کی عمر میں اس نے اس جہان فانی سے کوچ کیا تو گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت جنوبی ہند کے سیاسی نقشہ پر ایک اٹل تاریخی حقیقت بن چکی تھی ۔ جس وقت وہ گولکنڈہ کا صوبیدار مقرر ہوا تھا تو اس صوبہ میں گولکنڈہ کے علاوہ صرف ورنگل کا علاقہ اور کریم نگر کا کچھ حصہ شامل تھا لیکن جب اس کا انتقال ہوا تو کوئی (۷۰) قلعے اور متعدد بڑے بڑے شہر قطب شاہی سلطنت کا حصہ بن چکے تھے ۔

قطب شاہی خاندان کی تاریخ بہ یک نظر :[1]

سلطان قلی کا تعلق ترکی کے ایک قبیلہ قراقو یونلو سے تھا جس کے معنی ترکی زبان میں سیاہ مینڈھے کے ہیں ۔ یہی اس قبیلہ کا نشان تھا ۔ تیرھویں صدی عیسوی میں ارمینیا اور آذر بائیجان میں اس قبیلہ نے اپنی خود مختار حکومت قائم کی بعد میں اس قبیلہ کے بادشاہ اغر خاں بن قراخاں نے اسلام قبول کیا اور ترکستان کے بہت بڑے علاقہ پر قابض ہوگیا ۔ اس کی وفات کے بعد تو رابیگ اس کا جانشین ہوا ۔ تورابیگ کی مملکت پر چنگیز خان نے یورش کی تورابیگ ، چنگیز خاں کی طاقت اور اس کے برق آسا حملوں کا مقابلہ نہ کرسکا ۔ چنانچہ وہ مغربی علاقہ کی جانب فرار ہوگیا ۔

۱ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی ورق ۱۲ اور ہسٹری آف گولکنڈہ سے ماخوذ

چنگیز نے تورابیگ کی سلطنت کو تہس نہس کردیا تو اس وقت تورابیگ منگولیوں کی تاخت و تاراج کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک نئے عزم کے ساتھ بڑھا لیکن اسے کامیابی حاصل نہ ہوسکی اور اسے ایران کے مغربی حصہ کی جانب پسپا ہونا پڑا اور ہمدان کو اپنا صدر مقام بنا کر اس علاقہ پر وہ حکومت کرتا رہا ۔ تورابیگ کی چھٹی پشت میں قرا محمد کا بیٹا قرا یوسف ایک اولوالعزم اور طاقتور حکمران کی حیثیت سے تیمور لنگ سے برسرپیکار آیا اور اپنے قبیلہ کے مرتبہ و وقار کو باقی رکھنے میں کامیاب رہا ۔ قرا یوسف نے (۸۲۳ھ) ۱۴۲۰ء میں وفات پائی ۔ اس کے بعد اس کا بیٹا امیر زادہ سکندر ، سکندر ثانی کے لقب سے تخت نشین ہوا جسے اس کے بیٹے کیقباد نے ہلاک کیا ۔ سکندر کی ہلاکت کے بعد اس کا بھائی جہاں شاہ سلطنت کا مالک بنا ، اس نے سلطنت کو وسیع اور مستحکم بنایا لیکن اسے اپنے بھائی سکندر ثانی کے بیٹوں الوند اور کیقباد کی سازشوں کا مقابلہ کرنا پڑا ۔ کیقباد کا انتقال ہوگیا ۔ اس کے بعد جہاں شاہ نے الوند کو اپنے آبائی وطن ہمدان کا علاقہ بخش دیا ۔ اور اپنے بیٹے شہزادہ یوسف کی بیٹی خدیجہ بیگم کو بھی الوند کے بیٹے پیر قلی بیگ کے عقد نکاح میں دیدیا ۔ خدیجہ بیگم سے الوند قلی کے دو بیٹے پیدا ہوے ۔ اویس قلی اور اللہ قلی ۔ اویس قلی ہمدان میں اپنے باپ کا جانشین ہوا ۔ اور ہمدان کے امیر کبیر ملک شاہ کی بیٹی مریم خاتون سے شادی کی جس کے بطن سے سلطان قلی پیدا ہوا ۔ یہی سلطان قلی ، سلطنت قطب شاہیہ کا بانی اور اس سلطنت پہلا فرمانروا گذرا ہے ۔

سلطان قلی کی دکن میں آمد :-

ترکستان میں جہاں شاہ کی سلطنت پر سردار حسن بیگ (ارزون حسن) کی سرکردگی میں آق قیونلو قبیلہ نے حملہ کیا ۔ جہاں شاہ

ماراگیا۔ حسن بیگ نے اس کے بیٹوں یوسف اور محمد کو حراست میں لےلیا۔ قراقو یونلو قبیلہ کے تمام سر براور دہ افراد کو ہلاک کر دیا اور جہاں شاہ کی پوری مملکت پر قابض ہوگیا۔ البتہ ہمدان میں پیر قلی کی حکومت باقی رہی۔ حسن بیگ اور اس کے بیٹے خلیل سلطان نے بھی ہمدان کو نہیں چھیڑا لیکن خلیل سلطان کی وفات کے بعد جب زمام حکومت امیر یعقوب کے ہاتھ میں آئی تو اس نے ہمدان کے حکمرانوں پر بھی اپنی گرفت کو سخت کرنا شروع کردیا اس وقت ہمدان کے تخت پر اویس قلی کا بیٹا سلطان قلی متمکن تھا۔ وہ ایک ذہین اور مدبر فرمانروا تھا۔ امیر یعقوب کے درباریوں نے سلطان قلی کی مقبولیت اور اس کی ذہانت و تدبر سے امیر یعقوب کو آگاہ کیا۔ امیر یعقوب نے اس باب میں اہل نجوم سے بھی راے لی جن کی پیشین گوئیوں نے امیر یعقوب کے اندیشوں کو بڑھا دیا۔ چنانچہ اس نے سلطان قلی کو جو ابھی عنفوان شباب کے دور سے گذر رہا تھا خفیہ طور پر ہلاک کردینے کا منصوبہ بنایا۔ اویس قلی کو اس منصوبہ کی سن گن ملگئی۔ اس نے ہمدان کے ارباب دانش سے مشورہ کیا جنھوں نے سلطان قلی کو ہندوستان روانہ کر دینے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ سلطان قلی اپنے چچا اللہ قلی کے ساتھ عازم ہند ہوا اور یہ دونو چچا بھتیجے سیدھے بیدر پہونچے جو اندنوں بہمنی سلطنت کا پایہ تخت تھا اور جہاں بہمنی خاندان کا آخری بادشاہ محمودشاہ ثانی بہمنی مسندآرائے حکومت تھا۔ محمودشاہ نے نو وارد شاہزادہ کو ہونہار پا کر اپنے ملازمین خاص کے زمرہ میں شامل کر لیا۔ محمودشاہ اسکی ذہانت وصلاحیت سے اسقدر متاثر ہوا کہ اسے اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھنے لگا۔ سلطان قلی کو بھی یہ دیس ایسا بھایا کہ اس نے یہیں مستقل طور پر بس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اُس کا چچا اللہ قلی اس فیصلہ کے خلاف تھا۔ اسی زمانہ میں امیر یعقوب کے انتقال کی خبر ملی جس کے باعث سلطان قلی اور اللہ قلی کیلئے اپنے ملک میں برسراقتدار آنے کے نئے امکانات پیدا ہوگئے تھے۔ اللہ قلی نے محمودشاہ بہمنی سے واپسی کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے اس فیصلہ پر مکرر غور کرنے کیلئے کہا۔ اور بالآخر طے پایا کہ اللہ قلی ہمدان واپس چلا جائے لیکن سلطان قلی بیدر ہی میں رہے۔ سلطان قلی کی اپنی خواہش بھی یہی تھی۔ چنانچہ اس نے دکن میں سکونت اختیار کرلی۔ محمودشاہ نے اسے اپنے درباریوں کے معزز زمرہ میں شامل کرلیا۔ سلطان قلی اپنی فوجی صلاحیت اور علمی لیاقت کی بدولت تیزی کے ساتھ ترقی کے منازل طے کرنے لگا۔[1] تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کے مولف کا بیان ہے کہ سلطان قلی، علم ریاضی کا ماہر ایک بے مثال خوش نویس تھا۔ بادشاہ نے اسے محلات شاہی کا محاسب مقرر فرما دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ بہمنی سلطنت میں زوال کے آثار پیدا ہوچکے تھے تاہم دربار کی شان وشوکت، بادشاہ کی دادو دہش اور قدر دانی کمال میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ محمودشاہ بہمنی ثانی نہایت حلیم الطبع لیکن کمزور اور عیش پسند بادشاہ تھا۔ طوائف الملوکی کے حالات اس کے باپ کے زمانہ ہی میں پیدا ہوچکے تھے۔ اس کی تخت نشینی کے بعد نظام الملک بحری، تمام امور سلطنت پر حاوی ہوگیا۔ اقتدار کیلئے امرا کی سازشیں بڑھنے لگیں۔ نظام الملک نے یہ منصوبہ باندھا تھا کہ یوسف عادل خاں کو زک دے کر ترک امرا کا زور توڑ دیا جائے۔ ان سازشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ قصرشاہی میں کئی مرتبہ قتل وخون کا ہنگامہ برپا ہوا اور ۸۹۲ھ (۱۴۸۷ء) میں بیدر کے بعض مقامی باشندوں نے خود محمودشاہ ثانی کی ذات پر قاتلانہ حملہ کر دیا لیکن بیرونی عناصر نے جن میں حسن علی سبزواری، سید مرزا مشہدی، اور سلطان قلی شامل تھے دس مسلح سپاہیوں کے معیت میں بادشاہ کو اپنے حلقہ میں لے لیا۔ اور جب تک کمک نہ پہنچی بادشاہ کو اپنے حملہ آوروں سے محفوظ

۱ ماخوذ از ہسٹری آف گولکنڈہ

رکھا ۔ اور اسطرح محمودشاہ ثانی کی جان بچالی ۔ سلطان قلی کی اس وفاکیش جان نثاری نے بادشاہ کی نظروں میں اس کی وقعت کو اور بڑھا دیا اور اس واقعہ کے تین سال بعد ۹۰۱ ھ (۱۴۹۶ ع) میں اسے صوبہ تلنگانہ (گولکنڈہ اور ورنگل) کا صوبیدار بنا دیا گیا ۔ تلنگانہ کے صوبیدار قطب الملک دکھنی کے انتقال کی وجہ سے یہہ خدمت اس وقت تقرر طلب بھی تھی ۔ سلطان قلی کو بھی بادشاہ نے قطب الملک کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

بہمنی سلطنت کا خاتمہ :-

بہمنی سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ، محمود شاہ ثانی ہی کی زندگی میں ویجاپور ، احمد نگر اور برار کے صوبہ داروں نے ۸۹۵ ھ (۱۴۸۹ ع) میں مرکزی حکومت سے رشتہ توڑلیا تھا ۔ اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا ۔ لیکن سلطان قلی نے جو بہمنی سلطنت کے علاقہ تلنگانہ کا صوبیدار تھا اور عملاً اس علاقہ کا مطلق العنان حکمران تھا محمود شاہ بہمنی ثانی کے انتقال سے قبل اپنی خود مختاری کا اعلان نہیں کیا ۔ محمود شاہ ثانی نے ۹۲۴ ھ (۱۵۱۸ع) میں وفات پائی اور سلطان قلی کے اعلان خود مختاری کا بھی یہی سال تھا ۔

اس امر کی تصدیق گولکنڈہ کی مسجد صفا کے کتبہ سے بھی ہوتی ہے ۔ یہہ مسجد سلطان قلی نے ۹۲۴ ھ میں تعمیر کروائی تھی ۔ اس کے کتبہ کی عبارت یہہ ہے

« اس مسجد کی تعمیر بادشاہ ذی جاہ ابوالغازی محمود شاہ ابن محمد بہمنی کے زمانہ میں ہوی »

بہمنی سلطنت کا علمی و تہذیبی ورثہ :-

دکن میں بہمنی خاندان کی حکمرانی کا زمانہ تقریباً دوسو سال کی ایک طویل تاریخی دور پر مشتمل رہا ہے اس زمانہ میں علم و ادب اور تہذیب تمدن کو جو فروغ حاصل ہوا اسکی شاندار

روایات بہمنی سلطنت کی جانشین سلطنتوں کو گویا ورثہ میں ملی تھیں لیکن یہہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ قطب شاہی سلطنت صحیح معنوں میں بہمنیوں کی جانشین تھی ۔

بہمنی حکمرانوں کی شان و شوکت ، داد و دہش اور قدر دانی فضل و کمال کا شہرہ دور دور تک پہنچ چکا تھا اور ایران توران اور عراق و عرب کے ارباب فکر و دانش اور اہل علم و ادب سینکڑوں کی تعداد میں ہندوستان کے اس خطہ ارض کی جانب کھنچے کھنچے آرہے تھے ۔ بہمنی دربار میں شعر و سخن اور علم و فن کی محفلیں گرم رہتیں شعرا قصائد پڑھتے اور منہ مانگی مراد پاتے [1] ۔ فرشتہ کی روایت کے بموجب فارس کے پیغمبر سخن حافظ شیرازی کو بھی محمود شاہ بہمنی کی فیاضی اور علم دوستی نے دکن کا سفر کرنے پر آمادہ کردیا تھا اور وہ شیراز سے روانہ ہوکر دور کے راستہ پر مز آکر جہاز میں سوار بھی ہو گئے تھے لیکن سمندر کے تلاطم اور باد مخالف کے جھونکوں کے باعث حافظ شیرازی نے اپنا ارادہ سفر منسوخ کردیا ۔ وہ جہاز سے اترکر اپنے محبوب وطن شیراز کو لوٹ گئے اور میر فیض اللہ نجو کو جن کی معرفت انہیں محمود شاہ بہمنی کی دعوت وصول ہوئی تھی ایک غزل لکھہ بھیجی جس کا مطلع یہہ ہے

دمے باغم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد [3]

بہ مے بغروش دلق ماگزین بہتر نمی ارزد

بہمنی خاندان کی زبان فارسی تھی اور ان کے زمانہ میں جو لوگ باہر سے آئے ان کی اکثریت بھی ایران سے آنے والوں پر مشتمل تھی جس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ جنوبی ہند میں تقریباً دو سو برس تک فارسی زبان و ادب نے خوب فروغ پایا دکن کے رہنے والوں نے بھی فارسی زبان سیکھی اور اس کے شعر و ادب سے واقفیت حاصل کی اور اسطرح دکھنی اور ایرانی زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کے امتزاج نے ایک نئی تہذیب کا سنگ بنیاد رکھا جس نے قطب شاہیوں کے دور عروج میں ایک مشترکہ قومی تہذیب کا بھر پور رنگ روپ اختیار کیا ۔

۱ ماخوذ از ہسٹری آف گولکنڈہ

باب اول

سلطان قلی قطب الملک سے ابراہیم قطب شاہ تک

سلطان قلی قطب الملک :۔

گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت کا بانی اور معمار اول ، سلطان قلی ایران کے ایک شاہی خاندان کا وارث و جانشین تھا لیکن بعض سیاسی اسباب کی بنا پر ، عنفوان شباب میں اسے اپنے وطن کو خیر باد کہنا پڑا ۔[1] وہ اپنے چچا اللہ قلی کے ہمراہ ۸۹۲ ھ (۱۴۸۷ء) میں ہمدان سے بیدر پہنچا جہاں اس وقت بہمنی خاندان کا آخری فرمانروا محمود شاہ بہمنی ثانی تخت سلطنت پر متمکن تھا ۔ محمود شاہ نے ہمدان کے اس نوجوان شہزادہ کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا اور اسے اپنے مقربین خاص کے زمرہ میں شامل کرلیا ۔ محمود شاہ اس کی فراست و دانائی اور وفا کیشی و جان نثاری سے اتنا متاثر ہوا کہ ۹۰۱ھ (۱۴۹۶ء) میں اُسے اپنی سلطنت کے صوبہ تلنگانہ (گولکنڈہ اور ورنگل) کا صوبیدار مقرر کردیا سلطان قلی ۹۰۱ھ سے ۹۲۴ھ تک گولکنڈہ کے ایک مطلق الحکم صوبیدار کی حیثیت سے کار فرما رہا اور جب ۹۲۴ھ (۱۵۱۸ء) میں محمودشاہ کا انتقال ہوگیا تو اس نے اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا اور جنوبی ہند میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی جو ۱۰۹۸ھ تک قائم رہی سلطان قلی نے ۲۴ برس تک بہمنی سلطنت کے مطلق العنان صوبیدار کی حیثیت سے اور پھر تقریباً ۲۶ برس تک ایک خودمختار بادشاہ کی حیثیت سے ، حکومت کی ۔ اسکی حکمرانی کا یہ طویل دور تمامتر گولکنڈہ کی حفاظت و مدافعت اور سلطنت کی توسیع و استحکام کے کاموں میں گذر گیا ۔ جنوبی ہند میں اس وقت ایک زبردست سیاسی خلفشار برپا تھا ۔ گولکنڈہ

---

۱ تذکرۃ الملوک فانی صفحہ ۳۵

کے چاروں طرف چار آزاد اور خودمختار سلطنتیں عالم وجود میں آچکی تھیں اور جنوب میں وجیانگر کی طاقتور سلطنت قائم تھی ان سلطنتوں کی باہمی رقابتیں اور سازشیں دکن کی پوری فضا کو مکدر بنائے ہوئے تھیں جنگ وجدل اور تاخت وتاراج کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔ سلطان قلی قطب شاہ کو اپنی حکومت کا پورا زمانہ اپنی سلطنت کے بچاؤ کے لئے لڑائیوں اور معرکہ آرائیوں میں صرف کرنا پڑا سلطنت کے تعمیری اور تہذیبی امور کی طرف توجہ دینے کا اسے کوئی موقع ہی نہ ملا۔ اس نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ، گولکنڈہ کی نومولود سلطنت کو قیام واستحکام عطا کرنے میں وقف کردیا اور جب اواخر جمادی الاول ۹۵۰ھ (۱۵۴۳ء) میں پچاس برس کی حکومت کے بعد ۹۹ سال کی عمر میں اس نے آنکھیں بند کیں تو جنوبی ہند میں گولکنڈہ کی سلطنت ایک زندہ تاریخی حقیقت بن چکی تھی [1] اور کوئی ۷۰ قلعے اور متعدد بڑے بڑے شہر اس کے زیرنگیں آچکے تھے۔

سلطان قلی، ایک باتدبیر، جفاکش، اولوالعزم اور نیک نفس بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے ہمدردانہ اور مخلصانہ رویہ کی بدولت اپنی رعایا کے دل میں گھر کرلیا تھا اور عام طور پر وہ [2] "بڑے ملک" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ سلطان قلی، فن حرب ہی میں کامل نہیں تھا بلکہ اس نے مروجہ علوم وفنون کی بھی تحصیل کی تھی۔ محمود شاہ بہمنی اپنے فرامین میں اسے ہمیشہ [3] "صاحب السیف والقلم" کے لقب سے مخاطب کرتا تھا۔ [4] تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کے مؤلف کا بیان ہے کہ سلطان قلی علم ریاضی میں زبردست

۱۔ ہندوستان کے موجودہ نقشہ کے اعتبار سے سلطان قلی قطب الملکؒ کے انتقال کے وقت گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت ان اضلاع پر مشتمل تھی ورنگل، نلگنڈہ، محبوب نگر، میدک، کریم نگر، (بعض تعلقات) اور کرشنا وگوداوری کے اضلاع (ہسٹری آف گولکنڈہ مولفہ پروفیسر عبد المجید صدیقی ۵۰

۲ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی صفحہ ۵۴

۳ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی صفحہ ۵۵

۴ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی صفحہ ۵۵

دستگاہ رکھتا تھا اور ایک بے مثال خوشنویس تھا لیکن اپنے طویل دور حکومت میں اسے اپنے قلم کے جوہر دکھانے کی فرصت ہی میسر نہ آسکی اور اس کی ساری زندگی شمشیر آزمائی میں گذر گئی۔ ریاضی میں اس کی مہارت۔ میدان جنگ کے نقشے تیار کرنے اور سلطنت کے باغیوں اور دشمنوں کے خلاف مؤثر نقشے بنانے میں صرف ہوی اور فن خوشنویسی پر اس کی قدرت، گولکنڈہ کے در وبام کو استحکام واستقلال کے نقش ونگار سے آراستہ کرنے میں کام آئی۔ بظاہر وہ علم وحکمت اور شعر وادب کی کوئی خدمت انجام نہ دے سکا لیکن یہ اسی کی سعی و تدبیر اور فراست و بصیرت کا کرشمہ تھا جو اس نے دکن میں ایک ایسی عظیم سلطنت قائم کی جس کی شاہراہوں پر سے، اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو برس تک ارباب فضل و دانش اور اصحاب علم و ہنر کے قافلے گذرتے رہے۔ جنکے علمی ادبی اور تہذیبی کارناموں سے گولکنڈہ کی تاریخ کا دامن مالامال ہے۔

قیاس کہتا ہے کہ سلطان قلی قطب الملک کے عہد میں، قطب شاہی سلطنت کا پائے تخت اہل قلم اور اصحاب رقم سے خالی نہیں رہا ہوگا اور اس قیاس آرائی کی بنیاد یہ ہے کہ سلطان قلی کئی سال تک بہمنی سلطنت سے وابستہ رہ چکا تھا اور بہمنی بادشاہوں کا دارالسلطنت بیدر اس زمانے میں علم و ادب اور شعروسخن کا ایک زبردست گہوارہ تھا۔ پس یہ بالکل ممکن ہے کہ بہمنی سلطنت کے خاتمے کے بعد بیدر کے بعض ارباب فضل و ہنر گولکنڈہ منتقل ہوگئے ہوں اور سلطان قلی کے فیض مرحمت سے کامیاب ہوے ہوں لیکن قطب شاہی تواریخ اور تذکروں میں اس دور کے شاعروں، ادیبوں اور عالموں کا کوئی حال نہیں ملتا۔ عصر حاضر کے ایک حیدرآبادی محقق نصیر الدین ہاشمی (مرحوم) نے اپنی تالیف "[1] یورپ میں

---

۱ یورپ میں دکھنی مخطوطات صفحہ ۳۰

دکھنی مخطوطات» میں لکھا ہے کہ «سلطان قلی قطب شاہ کے زمانے میں سلطنت کا پائے تخت گولکنڈہ ، ادیبوں شاعروں اور ہنر مندوں سے خالی نہیں تھا ۔ گولکنڈہ میں «آتش خانہ کے نام سے ایک مقام تھا جہاں شاعر اور ادیب جمع ہوتے تھے» لیکن فاضل مؤلف نے اپنے اس بیان کے ثبوت میں کوئی دلیل یا حوالہ پیش نہیں کیا ہے ۔ « تاریخ سلطان محمد قطب شاہی » میں آتش خانہ والی بات کو ابراہیم قطب شاہ کے عہد سے متعلق کیا گیا ہے اور چونکہ قطب شاہی دور کی یہ سب سے پہلی اور مستند تاریخ ہے اس لئے ہم اس بیان کو صحیح اور وقیع سمجھتے ہیں ۔ بہر حال سلطان قلی کے زمانے میں فارسی کے شاعر اور ادیب موجود بھی ہوں گے تو آج کسی تاریخ یا تذکرہ سے ان کا سراغ نہیں ملتا اور اس عہد کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کے بارے میں اب تک کوئی ایسا ماخذیا مواد ہمیں دستیاب نہیں ہوا ہے جس کی بنا پر اس سلسلے میں کوئی قطعی بات کہی جاسکے ۔ صرف ایک زبردست عالم ملا حسین الطبسی کا نام ملتا ہے جو اس کے دربار کا[1] صدر جہاں تھا ۔ ملا حسین نے «مرغوب القلوب» کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو اب ناپید ہے ۔ لیکن تاریخ سلطان محمد قطب شاہی میں اس تصنیف کا حوالہ ملتا ہے ۔ ملا حسین نے اپنی اس تصنیف میں ان تمام واقعات کو جو سلطان قلی کی زبانی اس نے سنے تھے تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا تھا ۔

---

۱ 'عمادیہ' (ماثر قطب شاہی، ۱۴ ۔ اس وقت صدر جہاں کا عہدہ قاضی القضاۃ کے عہدہ کے مماثل تھا جس کے ذمہ فصل خصومات کے تمام شعبے ہوا کرتے تھے صدر جہاں ملا حسین الطبسی کو سلطان قلی کے حضور میں بے حد رسوخ حاصل تھا ۔

جمشید قلی :

سلطان قلی کے بعد اس کے تیسرے بیٹے جمشید قلی نے ۹۵۰ھ (۱۵۴۸ء) میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور سات برس کی حکمرانی کے بعد ۹۵۷ھ (۱۵۵۵ء) میں وفات پائی اس کا عہد حکومت بہت مختصر تھا اور پھر اسکی حکمرانی کے ابتدائی چار پانچ برس کا زمانہ سلطنت کے داخلی خلفشار کو فرو کرنے اور بیرونی دشمنوں سے نبرد آزما ہونے میں صرف ہو گیا ۔ البتہ اس کی زندگی کے آخری چند سال نسبتاً سکون و فراغت کے ساتھ بسر ہوئے ۔ اسے شعر و ادب سے بہت دلچسپی تھی ۔ وہ خود بھی شعر کہتا تھا۔[1] تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کے مؤلف نے جمشید کی علمی و ادبی قابلیت و صلاحیت کے بارے میں لکھا ہے کہ « انواع فضائل و کمالات میں وہ اپنے ہم عصر بادشاہوں سے ممتاز تھا اور کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا» ۔[2] حدائق السلاطین کا مؤلف اس کے بارے میں رقمطراز ہے « ارباب شعر و اصحاب طبیعت پر ہمیشہ مہربان رہتا اور کبھی کبھی خود بھی شعر ہموار کہتا » ۔

جمشید کے عہد میں فارسی کے بعض شاعروں اور انشا پردازوں کا پتہ چلتا ہے ۔ جن میں قاسم طبسی اور ملا شریف وقوعی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ قاسم طبسی جمشید کے زمانہ میں گولکنڈہ آیا اور بادشاہ نے ازراہ ادب نوازی و علم دوستی اسے قطب اللہ پورنامی ایک موضع بطور انعام عطا کیا ۔ جمشید کے بعد ، ابراہیم قلی کے عہد میں قاسم طبسی کی اور زیادہ قدر افزائی کی گئی ۔ اس نے ابراہیم کے زمانہ میں سرکاری دستاویزات اور خطوط کا ایک مجموعہ مرتب کیا جس کے مطالعہ سے اس کے حالات کے بارے میں بعض داخلی شہادتیں بھی فراہم ہوتی ہیں ۔ چونکہ قاسم کا یہ علمی و ادبی کارنامہ ابراہیم قطب شاہ کے زمانے میں سر انجام پایا اس لئے ہم اس کا تفصیلی ذکر ابراہیم قطب شاہ کے ضمن میں کرینگے ۔

---

۱ تاریخ محمد قطب شاہی صفحہ ۱۲۹
۲ حدایق السلاطین صفحہ ۱۱۳

ملا شریف وقوعی جمشید کے دربار کا ملک الشعرا تھا[1] - لیکن نہ تو اس کے حالات زندگی کا پتہ چلتا ہے اور نہ اس کا کلام دستیاب ہوتا ہے - ملک الشعرائی کا مرتبہ و اعزاز اس زمانہ میں صرف انہیں باکمال شاعروں کو عطا کیا جاتا تھا جن کی شاعرانہ عظمت مسلم ہوتی تھی - ظاہر ہے کہ جمشید نے ، جو خود بھی شعر و سخن کا عمدہ ذوق رکھتا تھا اور ایک قادرالکلام شاعر بھی تھا ، ملک الشعرائی کیلئے وقوعی کا انتخاب یوں ہی نہیں کر لیا ہوگا - وقوعی بلا شبہ اپنے وقت کا بہت بڑا شاعر رہا ہوگا لیکن افسوس ہے کہ قطب شاہی تواریخ اور تذکروں میں وقوعی کی زندگی اور شاعری پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے تحفۃ الکرام میں وقوعی تخلص کے ایک شاعر کا ذکر ملتا ہے - جس کا نام امیر محمد شریف بتایا گیا ہے - ممکن ہے یہ وہی وقوعی ہو جو جمشید کے دربار کا ملک الشعرا تھا - تحفۃ الکرام کے مؤلف نے امیر محمد شریف وقوعی کے بارے میں لکھا ہے کہ «امیر محمد شریف وقوعی بہ حسن خط و لطف طبع موصوف در فن تاریخ لوائے مہارت برافراشتہ شعرش غایت غرابت داشتہ بہ ہند وارد شدہ ملازمت شہاب الدین احمد خاں گزید - پس بعد ازوے با سپہ سالار خانخانان ہمراہ شدہ آخر بہ نظر بادشاہی رسید و روزگارے بزرگ یافت »

« میر محمد شریف وقوعی از سادات اسحق آباد نیشاپوراست - مائل وقوع گوئی بود لہذا وقوعی تخلص می نمود در شعر و تاریخ دانی و خوشنویسی ید طولی داشت - درعہد اکبری از ولایت سرے بہ ہند کشید اول با شہاب الدین احمد خاں صحبت وے موافق افتاد و بعد وفات خان مذکور رفاقت خانخانان برگزید و در لاہور از یں عالم رحلت کرد - خانخانان او را برایں رباعی سہ ہزار ممودی صلہ بخشید

اے بزم ترا دردے ساغر خورشید
وے عیش بہشت کشیدہ دربر خورشید
گر فضلۂ خاک آستانت نشدے
چون ظلمت شب شدے مکدر خورشید

۱ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی صفحہ ۱۲۹
۲ تحفۃ الکرام صفحہ ۲۰۷

خزانۂ عامرہ صفحہ ۴۴۳

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاسم طبسی اور وقوعی کے علاوہ جمشید کے عہد میں فارسی کے اور بھی متعدد شاعر اور ادیب گولکنڈہ میں موجود تھے کیونکہ جمشید قلی کے انتقال کے بعد جب ابراہیم قلی قطب شاہ نے تخت سلطنت پر جلوس فرمایا تو تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کے بموجب شعرائے فصیح زبان و ندمائے ملیح بیان نے ابراہیم کے جشن تخت نشینی کے موقع پر نظم و نثر کے آبدار موتی نثار کئے اور بادشاہ کے صلہ و انعام سے بہرہ مند ہوئے لیکن صاحب تاریخ محمد قطب شاہی نے ان شاعروں اور نثر نگاروں کے نام تک نہیں بتائے ہیں -

عمادیہ (ماثر قطب شاہی) کے مولف نے صفحہ ۲۳، ۲۴ پر لکھا ہے کہ محمد شریف سادات نیشاپور سے ہے اسکو تاریخ دانی اور خوش نویسی میں ید طولی حاصل تھا - شاعر بھی تھا - وقوعی تخلص کرتا تھا ولایت سے گولکنڈہ میں آکر جمشید قطب شاہ کا ملازم ہوا - ابراہیم قطب شاہ کی وفات تک گولکنڈہ میں رہا - اس کے بعد گجرات چلا گیا - اس وقت شہاب الدین احمد خان ، اکبر کی طرف سے[2] وہاں کا صوبیدار تھا ان کی ملازمت اختیار کر لی - ۹۲۱ھ میں اعتماد خاں گجرات کا صوبیدار مقرر ہوا اور شہاب الدین احمد خان واپس چلا گیا تو محمد شریف بھی ان کے ہمراہ مغلیہ دارالسلطنت میں وارد ہوا اور ۹۹۸ھ میں داخل دربار ہوکر شاہی ملازمین میں شامل ہوگیا اور ۱۰۰۲ھ میں بمقام لاہور وفات پائی - ملا عبدالقادر بدایونی

۱ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی صفحہ ۱۲۹
۲ حدائق السلاطین صفحہ ۱۱۳
۳ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی صفحہ ۱۲۹
٤ تحفۃ الکرام صفحہ ۲۰۷
طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۵۵
مراۃ احمدی جلد اول صفحہ ۱٤۵۰

کا بیان ہے کہ محمد شریف ملحد تھا اور اس کا الحاد اس زمانہ کے سارے ملحدوں سے بڑھا ہوا تھا ۔ باوجود اس کے ملا صاحب نے اسکی تصنیف میں ایسے بہت سے قصاید دیکھے ہیں جن میں ائمہ اطہار علیہم السلام کے مناقب و محامد مذکور ہیں ۔ یہ قصاید اس زمانے کے لکھے ہوے ہیں جبکہ محمد شریف قطب شاہی دربار کا متوسل تھا ۔ اسی زمانے میں اس نے سلطان ابراہیم قطب شاہ کی فرمایش پر ایک ضخیم تاریخ لکھی جس کا نام « مجمع الاخبار » ہے ۔ یہ کتاب ۹۸۸ھ سے پہلے تمام ہو چکی تھی محمد شریف نے دربار مغلیہ میں توسل پیدا کیا تو اس میں ۱۰۰۰ھ تک اکبر بادشاہ کے حالات کا اضافہ کیا ۔ اور اس کا دیباچہ تبدیل کر کے شہنشاہ اکبر کے نام سے موسوم کر دیا ۔ اس کا ایک نفیس نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے ۔ یہ تاریخ دو مقالوں پر مشتمل ہے[1] ۔

[1] طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۵۵ منتخب التواریخ جلد سوم صفحہ ۳۷۸ اُردو ترجمہ میں صفحہ ۵۴۰ آئین اکبری جلد اول صفحہ ۳۱۳ خزانہ عامرہ ۳۴۴

۲ گجرات کی صوبیداری پر ۹۵۸ھ میں شہاب الدین احمد خاں کا تقرر ہوا مراۃ احمدی جلد اول صفحہ ۱۴۵

جمشید کا کلام :

جمشید قلی قطب شاہ کا کچھ کلام دستیاب ہوتا ہے اور بعض مؤرخین نے شعر و سخن سے اسکی دلچسپی اور برجستہ شعر گوئی پر اسکی قدرت کے بعض واقعات بھی بیان کئے ہیں ۔ جمشید کی زندگی کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے اور متعدد مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے اسے نقل کیا ہے کہ جب بیجانگر کے محاصرہ سے واپس ہوتے ہوئے برہان نظام الملک والی بیدر سے ملاقات کیلئے وہ بہ نفس نفیس بیدر پہنچا اور فرمانروائے احمد نگر نے اسکی خدمت میں خطابات پیش کرنا چاہے تو اس اعزاز کو قبول کرنے سے اس نے انکار کر دیا اور فی البدیہہ یہ اشعار موزوں کر کے سنائے :-

مرا نیست باچتر شاہی نیاز
خطا بے نخواہم بہ عمر دراز

کہ شاہان ملک دکن بالتمام
گرفتند ازاں چتر شاہی نیام

کہ از روئے مردی و مردانگی
ہماں زور شمشیر و فرزانگی

ربودند گوئے ز اسپہ اورنگ
ز میدان مردی بہ چوگان جنگ

چو من ضرب دست شجاعت بہ شاہ
نمایم ، نگیرم خطاب و کلاہ

من آنگہ کنم چتر شاہی قبول
کہ گیرم ز دشمن بہ عون رسول

جمشید کے فارسی کلام کا کچھ انتخاب یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے جمشید کی شاعرانہ خصوصیات کا کچھ اندازہ ہوسکے گا۔ اس کی شاعری میں لطافت اور سادگی پائی جاتی ہے اسکی زبان سادہ و سلیس ہے اور اس کے انداز بیان میں پختگی ہے۔ اس کے بعض اشعار میں شاہانہ طمطراق کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ اگر حالات اس کا ساتھ دیتے اور زندگی وفاکرتی تو ممکن ہے کہ وہ فارسی کا بہت بڑا شاعر ہوتا۔

بے لب لعل بتاں بادہ حرام است مرا
لب میگوں بنما چوں سر جام است مرا

ترک ایں کار نہ خواہم من بیدل کردن
من کہ جمشیدم واین کار تمام است مرا

اشکم از دیدہ بہ بینید چساں می آید
دل زمن برد کنوں از پئے جاں می آید

جاں بہ سودائے تو داد یم کہ سودے بکشیم
ایں چہ سودے است کہ دائم بہ زیاں می آید

چوں بہ بنیند بتاں از سر نازم گویند
عاشق دل شدہ جمشید جہاں می آید

آناں کہ باخدنگ جفائے تو خو کنند
تیرے نخوردہ تیر دگر آرزو کنند

اے برخ نوردہ دیدۂ صاحب نظراں
خون شداز محنت ہجرت دل خونیں جگراں

عمرہا رفت کہ رفتی و براہ تو ہنوز
ہمچناں چشم ترم ماند بہ حسرت نگراں

ہمچناں مہر تو در سینۂ ماہست کہ بود
ما بر آنیم کہ بود یم تو ہم باش براں

زندگی بےتو حرام است ونمی خواہم عمر
گرچنیں می گزرد باقی عمر گزران

خبراز درد ندارند بتاں اے جمشید
آہ ازیں بے خبراں آہ ازیں بے خبراں[1]

جمشید کے کلام میں ایک نظم منقبت بھی ملتی ہے۔ اس منقبت کے ابتدائی اشعار میں اس کے مزاج کی شوخی و رنگینی کی جھلک نمایاں ہے۔ اس منقبت کے پورے اشعار یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

اے بتو ختم ملک زیبائی
کار عشق از تو یافت بالائی

کاکل وچین زلف و خال رخت
ہر یکے در کمال رعنائی

دررہ عشق ہر کہ پائے نہد
آخر او سر کشد بہ رسوائی

شدہ شرمندہ از رخت خورشید
میرود زین سپہر مینائی

---

۱ کلام جمشید کے اس انتخاب مین حسب ذیل تواریخ اور تذکروں سے مدد لی گئی ہے۔

تاریخ سلطان محمد قطب شاہی صفحہ ۱۲۱
حدایق السلاطین صفحہ ۱۱۳ ، ۱۱٤
تاریخ سلطان محمد قطب شاہی صفحہ ۷
حدیقۂ ابو تراب صفحہ ۱۲؟

چشم شوخ تو دل ربود ازمن
عقل و ہوش و دگر شکیبائی

جملہ شاہاں نشست درکویت
منتظر تا تو رخ بر آرائی

آفتاب از رخ تو شرمندہ
ابر کرد است پردہ آرائی

من بہ دیوانگی شدم مشہور
تو بخوبی و عالم آرائی

تو ہماں آفتاب بے ہمتا
من ہماں عاشق تماشائی

چند گردم بگرد کویت من
نظرے کن بہ بے سروپائی

چند باشم زدست تو جاناں
شہرہ بودن چنیں بہ شیدائی

نظرے کن بہ حال من آنے
داد خواہم زدن زدانائی

پیش شاہے کہ درجہاں ہر گز
کس بدو خود نکرد ہمتائی

شاہ ہر دو سرا علی ولی
بندۂ اوست چرخ خضرائی

من غلام تو ام شہا از جاں
کارمن زاں گرفت بالائی

آں شہ توکہ خضراز دل وجاں
میکند بر در تو سقائی

خاک پائے ترا من مسکیں
سرمہ سازم زعین بینائی

ابراہیم قلی قطب شاہ

جمشید قلی کے بعد اس کے خورد سال لڑکے سبحان قلی کی بادشاہت کا اعلان کیا گیا لیکن جمشید قلی کے چھوٹے بھائی اور سلطان قلی کے سب سے چھوٹے بیٹے ابراہیم قلی نے ، جو وجیانگر میں جلا وطن تھا گولکنڈہ کا رخ کیا اور قطب شاہی تخت و تاج کا مالک بنا ۔ اس نے ۹۵۷ھ (۱۵۴۸ء) سے ۹۸۸ھ تک حکومت کی ۔ اس کی حکمرانی کے ۳۱ سال کا طویل زمانہ گولکنڈہ کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے ۔ وہ ایک نیک نفس ، با تدبیر اور دانشمند بادشاہ تھا ۔ اپنی کاردانی اور حکمت عملی کی بدولت اس نے قطب شاہی سلطنت کے پراگندہ و منتشر شیرازہ کو بڑی خوبی سے منظم و محکم بنایا ۔ اس کے زمانے میں گولکنڈہ کی سلطنت کو وسعت و پائندگی حاصل ہوی اور امن و آسودگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا ۔ گولکنڈہ کا نیا شہر اور قلعہ اسی کے زمانہ میں تعمیر ہوا اس نے کثرت سے مدرسے قائم کئے جہاں مفت تعلیم دی جاتی تھی اور طلبا کو وظیفے اور انعامات عطا کئے جاتے تھے ۔ وجیانگر کے دوران قیام میں جہاں اس نے تقریباً چھ سال تک جلا وطنی کی زندگی گذاری تھی ، اسے امورسلطنت اور نظم و نسق مملکت کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا اور قدرتی طور پر ، اسی زمانہ میں دکھنی تہذیب و روایات ، سے بھی اسے دلبستگی پیدا ہوگئی تھی اور یہ نقوش اس کے دل پر کچھ اسطرح مرتسم ہوگئے تھے کہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں اس نے مقامی روایات اور دکن کی قومی تہذیب کو فروغ دینے کی پوری کوشش کی اور گولکنڈہ میں مشترکہ تہذیب و ثقافت کا سنگ بنیاد رکھا جس پر بعد میں اس کے بیٹے محمد قلی قطب شاہ نے ایک فلک بوس عمارت کھڑی کردی ۔ اس نے ریاست کی سرکاری زبان فارسی کے علاوہ اُردو اور تلگو زبان و ادب کی بھی سرپرستی کی وہ خود تو شاعر یا ادیب نہیں تھا لیکن شاعروں اور عالموں کی حد سے زیادہ قدر و منزلت کرتاتھا ۔ رفیع الدین ابراہیم شیرازی نے تذکرۃالملوک میں لکھا ہے کہ جب کبھی باغوں سے اس

کے یہاں میوہ آتا تو اس کا کچھ حصہ وہ شاعروں اور عالموں کے پاس بطور تحفہ ضرور روانہ کرتا ۔

ابراہیم کی علم دوستی اور ادب نوازی کا ذکر تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کے مولف نے ان الفاظ میں کیا ہے « درسفروحضر ہموار اہل فضل

ڈاکٹر زورنے «داستان ادب اُردو » میں لکھا ہے کہ « ابراہیم کے دور کے فارسی شعرا کا حال تو معلوم نہیں البتہ اُردو کے تین شعراء ملا خیالی ، سید محمود اور فیروز کا حال ملتا ہے جس میں سے اول الذکر اتنا خوش حال تھا کہ اس نے ۹۷۳ھ میں ایک خوش وضع دو منزلہ مسجد تعمیر کروائی تھی جو اب تک گولکنڈہ کے نئے قلعہ میں موجود ہے »

تلنگی کا ایک مشہور شاعر یونی کنتی تلیگانہ قطب شاہ کے ایک امیر امین خاں کے دربار سے وابستہ تھا جس نے ایک طویل نظم « یتیی چریتر » کوئی پانچ سو ابیات مین خان کی تعریف و توصیف میں منظوم کی ہے ۔ جب پونی کنیتی اپنی یہ نظم سنانے کیلئے امین خاں کے دربار میں پہنچا تو امین خاں نے جس اہتمام سے اسکی اُوبھگت کی اس کا ذکر پونی کنتی ان الفاظ میں کرتا ہے « مجسم اخلاق امین خاں نے مجھے اپنے قریب بیٹھنے کی عزت بخشی ۔ میرے جسم پر خوش بوئیں لگائی گئیں ۔ ایک نہایت عمدہ کیسری رنگ کا شال میرے کندھوں پر ڈالا گیا اور جواہر کا ایک ڈبہ جسمیں کئی لعل تھے مجھے دیا گیا ۔ اس کے بعد نظم سنانے کی فرمایش کیگئی ۔ (« داستان ادب اُردو » مؤلفہ ڈاکٹر زور بحوالئہ مضمون پروفیسر سباراو سابق صدر شعبۂ تلنگی عثمانیہ یونیورسیٹی)

[۳] تذکرۃ الملوک ۔ مؤلفہ رفیع الدین ابراہیم شیرازی جس نے ابراہیم کے عہد میں دو مرتبہ گولکنڈہ کا سفر کیا تھا اس نے چشم دید واقعات اور اپنے تاثرات کو «تذکرۃ الملوک » میں بیان کیا ہے ۔

و ہنر درخدمتش می بودند و در مجلس ہمایونی بہ مباحثۂ علوم دینی پرداختہ در تحقیق مسائل یقینی شرائط اہتمام بجامی آورمدد » اس نے اپنے محل کا ایک حصہ شاعروں اور عالموں کیلئے وقف کردیا تھا ۔ یہ جگہ اُش خانہ ،، کہلاتی تھی ۔ یہاں اہل فکر و نظر اور ارباب علم و ہنر جمع ہوتے ۔ شعر و سخن کی محفلیں آراستہ کی جاتیں اور علمی و ادبی مسائل پر تبادلئہ خیال ہوتا ۔ بعض اوقات تو ان علمی و ادبی مذاکرات کا سلسلہ رات رات بھر جاری رہتا اور بعض اوقات بادشاہ بھی ان محفلوں میں شریک ہوتا رفیع الدین ابراہیم شیرازی کے بیان کے بموجب ابراہیم قطب شاہ نے «لنگر خانہ کی امداد میں اضافہ کردیا تھا جسکی بدولت شعرا اور علما کو فراغت و آسودگی نصیب ہوگئی تھی » ابراہیم کے عہد میں شعر و سخن کا چرچا اتنا بڑھ گیا تھا کہ بات بات پر شعرا نظمیں لکھتے اور صلئہ و انعام پاتے ۔ خود ابراہیم کی تخت نشینی کے موقع پر متعدد شاعروں نے تہنیتی نظمیں لکھیں اور انشا پردازوں نے نثر میں عقیدت و محبت کے موتی نچھاور کئے ۔ جس وقت محمد قلی پیدا ہوا (۱۴ رمضان ۹۷۳ھ) تو کئی روز تک شاہانہ جشن منایا گیا اور متعدد شعرانے تہنیتی نظمیں لکھیں اسی طرح ابراہیم کے چوتھے بیٹے مرزا عبدالفتاح کی پیدایش پر کسی شاعر نے اسکی تاریخ ولادت کو ان اشعار میں منظوم کیا

ایزد شہ بہ زمانہ فرزندے داد
شد خاطرشاہ ازاں بسے خرم و شاد

از نخل مراد چوں گل تازہ شگفت
تاریخ طلب کن ز «گل نخل مراد »

اس قسم کے اور بہت سے تاریخی قطعات اور تہنیتی منظومات کا پتہ چلتا ہے لیکن نہ تو ان کے لکھنے والوں کے نام معلوم ہوتے ہیں اور نہ ان کے حالات زندگی پر کسی مؤرخ یا تذکرہ نگار نے روشنی ڈالی ہے۔ قطب شاہی تواریخ اور تذکروں میں ضمناً ان کی شاعری کا ذکر آگیا ہے۔ صرف چند شاعروں اور انشا پردازوں کے حالات اور ان کی تصانیف کا کچھ علم ہوتا ہے جن میں حاجی ابرقوی، قاسم طبسی، میر تقی الدین اشہر، شاہ میر معز الدین وفا خاں اور نعیم الدین شاہ نعمت اللہ ولی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کی حیات و شاعری پر ہم اگلے صفحات میں کچھ تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالینگے

ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں شعر و ادب کے علاوہ مذہبی اور تاریخی موضوعات پر بھی کچھ کتابیں لکھی گئیں۔ خورشاہ بن قبادالحسینی نے اس زمانہ میں ایک مبسوط تاریخ تالیف کی وہ ابراہیم کے دربار کا ایک بلند پایہ مفکر اور محقق تھا جس نے ۹۷۲ھ میں انتقال کیا اور گولکنڈہ میں دفن ہوا۔ شاعروں اور ادیبوں کے علاوہ ابراہیم کے عہد میں فلسفۂ و حکمت کے بعض باکمال بھی گولکنڈہ میں موجود تھے جن کا تذکرہ ہمارے اس مقالے کے عنوان سے غیر متعلق ہے اس لئے ہم اب اس عہد کے شاعروں اور ادیبوں کا ذکر کچھ تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں۔

ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں قاسم طبسی نے سرکاری دستاویزات شاہی فرامین اور خانگی خطوط کا ایک مجموعہ مرتب کیا جس کا ایک نفیس قلمی نسخہ «اُنشائے قاسم طبسی»[1] کے نام سے سالارجنگ لائبریری میں محفوظ ہے قطب شاہی تواریخ اور تذکرے قاسم طبسی کے ذکر سے خالی ہیں

«انشائے قاسم طبسی» کے مطالعہ سے قاسم کے حالات زندگی پر کچھ روشنی پڑتی ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ جمشید قلی کے زمانے میں گولکنڈہ آیا تھا اور جمشید نے قطب اللہ پور نامی ایک موضع اسے بطور انعام عطا کیا تھا۔ جمشید کی وفات کے بعد بعض سرکاری عہدہ داروں اور کارندوں نے قاسم کو تنگ کرنا شروع کیا اور اس کی انعامی جاگیر کے کچھ حصے کو اس سے چھین لینا چاہا۔ قاسم نے اس معاملے کو بادشاہ وقت ابراہیم قطب شاہ سے رجوع کیا اور اسکی خدمت میں شکایتی عریضے تحریر کئے۔ شروع میں تو ابراہیم قطب شاہ نے قاسم کی ان عرضداشتوں پر کوئی توجہ نہیں کی لیکن جب اسے قاسم کی فضیلت علمی کا حال معلوم ہوا تو اس نے قاسم کو شاہانہ الطاف سے نوازا اسکی شکایتوں کو دور کرنے کا حکم دیا اور اسے مزید جاگیر بھی مرحمت فرمائی اور پھر چنگیز خانی اور ترخانی کا اعزاز بھی عطا کیا

---

[1] «انشائے قاسم طبسی» ۔ سالارجنگ لائبریری ۔ فارسی مخطوطات، ادب نشر نمبر ۳۱ خط معمولی نستعلیق سطر ۱۷ اوراق ۴۷ سائز ۷½ × ۱۲½ ۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور ۴۰ خطوط، سرکاری دستاویزات اور فرامین وغیرہ پر مشتمل ہے جسکی تفصیل یہ ہے (۱) مقدمہ ابراہیم قطب شاہ کے دیوان اعلی مصطفے خاں کے نام قاسم طبسی کا عریضہ (۲تا۶) قاسم طبسی کے پانچ عریضے ابراہیم قطب شاہ کے نام (۷) مصطفی خان کے کمسن فرزند کی موت پر اسکی قبر کے کتبہ کیلئے قاسم طبسی کا مضمون (۸) قاسم طبسی کا ایک خط اپنے ایک دوست کے نام عربی میں (۹تا۱۱) تین مکاتیب ابراہیم قطب شاہ کی جانب سے علی عادل شاہ کے نام (۱۳) قطب شاہ

« انشائے قاسم طبسی » کے بارے میں پروفیسر عبدالمجید صدیقی نے اپنے ایک نوٹ میں لکھا ہے کہ :- « یہ بزرگ ابراہیم قطب شاہ کی سلطنت کے ایک رکن تھے جنھوں نے ان خطوط کو ابراہیم قطب شاہ کے زمانہ میں مرتب کیا اس میں ابراہیم قطب شاہ کے ۴۰ مکاتیب ہیں اور اس مجموعے کی تاریخ تدوین ۹۵۸ھ ہے اس کا سنہ کتابت بھی ۹۵۸ھ ہے ہو سکتا ہے کہ خود مولف نے اسکی کتابت کی ہو۔غالباً صاحب موصوف نے اس کتاب کے متن کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں فرمایا ورنہ وہ ایسی بات نہ لکھتے کہ « اس مجموعے میں ابراہیم قطب شاہ کے ۴۰ مکاتیب ہیں اور اسکی تاریخ تدوین ۹۵۸ھ ہے،، -یہ دونوں بیانات صحیح نہیں ہیں اول تو یہ کہ اس مجموعے میں مصطفی خاں شہزادۂ عبدالقادر اور خود قاسم طبسی کے متعدد مکاتیب شامل ہیں اور ان کے علاوہ چند سرکاری دستاویزات، شاہی فرامین اور بعض دوسری تحریریں بھی ملتی ہیں دوسرے یہ کہ اس مجموعے کی تاریخ تدوین ۹۵۸ھ نہیں ہے بلکہ اسمیں ۹۷۹ھ تک کے خطوط پائے جاتے ہیں -یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ « اس کا سنہ کتابت بھی ۹۵۸ھ ہے» ہوسکتا ہے کہ قاسم طبسی نے خود اس کی کتابت

کی جانب سے خط بنام نظام‌شاہ (۱۴)خان اعظم وفا خاں کے نام بادشاہ کا اجازت نامۂ شکار (۱۵) ابراہیم قطب شاہ کی جانب سے شاہ نعمت اللہ کے نام خط(۱۶) حضرت مخدوم سید محمد گیسودراز کے روضہ کی مرمت کے لئے ابراہیم قطب‌شاہ کا فرمان (۱۷) شیخ بدرالدین کے نام مکتوب منجانب شاہزادہ عبدالقادر (۱۸) عادل شاہ کے حاجب کے نام ابراہیم قطب‌شاہ کا فرمان (۱۹) اعزاز ترخانی عطا کرنے کیلئے قطب شاہ کے نام قاسم‌طبسی کا عریضہ (۲۰) نشان ترخانی کے سلسلہ میں قاسم کا ایک اور مکتوب(۲۱) ابراہیم قطب‌شاہ کے دیوان اعلی کے نام قاسم طبسی کو اعزاز ترخانی عطاکرنے کا فرمان (۲۲) ابراہیم قطب شاہ کے حق میں قاسم طبسی کی ایک دعائیہ تحریر (۲۳) قاسم‌طبسی کی تحریر بہ عنوان « بعداز طے دعوات مخالصت آیات،،(۲۴) حضرت شاہ نعمت اللہ کے نام ابراہیم

کی ہو لیکن پوری کتاب میں سنہ کتابت کہیں بھی مندرج نہیں ہے۔ابراہیم قطب شاہ نے ۱۲/ رجب ۹۵۷ھ کو تخت سلطنت پر جلوس فرمایا۔ اس وقت قاسم طبسی گولکنڈہ ہی میں موجود تھا لیکن ابراہیم قطب شاہ اس کی حیثیت اور مرتبت سے واقف نہیں تھا اس نے ابراہیم قطب شاہ کے نام جو عریضے لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کی بے التفاتی کے باعث وہ بہت افسردہ و ملول ہے البتہ کچھ مدت گذرنے کے بعد ابراہیم قطب شاہ اس کی طرف ملتفت ہوا اور اسے اپنی بے پایاں عنایات سے نوازا۔ان امور کی روشنی میں ابراہیم قطب شاہ کی تخت نشینی کے دوسرے ہی سال یعنی ۹۵۸ھ میں اس مجموعے کی تدوین کسی‌عنوان بھی قرین قیاس نہیں‌علاوہ ازیں خود اس مجموعے میں بعض مکاتیب کے خاتمے پر مختلف تواریخ درج ہیں جن میں سب سے آخری تاریخ ۹۷۹ھ کی ملتی ہے اس لحاظ سے یہ رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ اس مجموعے کے مکاتیب وفرامین وغیرہ ۹۵۸ھ سے ۹۷۹ھ کے دوران پر مشتمل ہیں غالباً پروفیسر عبدالمجید صدیقی صاحب کو قاسم طبسی کی اس عبارت سے دھوکا ہوا جو اس مجموعے کے صفحہ ۱۴ پر ملتی ہے وہ لکھتا ہے کہ «در آخر عشر اولئے شہر شوال بعد از

قطب شاہ کی‌جانب سے وکالت نامہ (۲۵) پروانۂ معافی عبدالملک (۲۶) مصطفے خاں کو بعد وفات کربلا پہنچانے کا نذر نامہ (۲۷) شاہ نعمت‌اللہ کے نام مکتوب منجانب خان اعظم مصطفے خاں (۲۸) ابراہیم قطب شاہ کی جانب سے مکتوب بنام قاسم بیگ (۲۹) مکتوب بنام شاہ رنجومنجانب ابراہیم قطب شاہ (۳۰) ابراہیم قطب شاہ کی جانب سے مولانا عنایت‌اللہ کے نام مکتوب (۳۱) مصطفے خاں کی جانب سے مکتوب بنام قاسم بیگ (۳۲) مکتوب بنام شاہ نعمت اللہ منجانب مصطفے خان(۳۳)مصطفے خان کی جانب سے مکتوب بنام مولانا عبدالرزاق‌طیب (۳۴) کا تبین نامہ (۳۵) مکتوب منجانب ابراہیم قطب شاہ بنام عادل شاہ (۳۶) مکتوب منجانب ابراہیم قطب شاہ بنام نظام شاہ (۳۷) وقف نامہ (۳۸) رقعۂ آخر (۳۹) مکتوب بنام شاہ نعمت اللہ منجانب مصطفے خاں(۴۰)خط اختتامی‌قاسم طبسی

نهصد و پنجاه و هشت سال هجری این میز بانی میمون به انجام کشید» اور صاحب موصوف نے اس عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ ۹۵۸ھ اس مجموعہ کی تدوین کا سال ہے۔حالانکہ اس عبارت میں ایسا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا اس عبارت کے اگلے حصے پر نظر ڈالنے سے بات اور صاف ہو جاتی ہے ملاحظہ ہو:۔ « گرہ سعادت وکامرانی ابدی بر سر رشتۂ عمر و زندگانی سرمدی بست و عقدہ ہائے مشکل روزگار از سلسلۂ پر غالیۂ لیل و نہار بہ گرہ کشائی تدبیر و راہ نمونی تقدیر رایت سخاوت و احسان برافراشت و بر ہیچ دل غبار آرزو نگذاشت ..... القصہ بعضے را بہ تشریفات شریف مشرف ساخت و گروہے را بہ خلعت ہائے فاخرہ بنوازخت و فرقۂ را بہ کمرہائے مرصع مزین گردانید و زمرۂ را بنوازش ہائے اسپ و زین سربلندی بخشید فی الجملہ ہر کس را مناسب احوال و شایستۂ افعال و اعمال وے بہ عنایت ہائے بادشاہانہ و عاطفت ہائے خسروانہ خرسند و سرفراز گردانید .... مگر سرگشتہ بادیۂ بوالہوسی قاسم طبسی کہ ازجفائے چرخ بیدل است و شاہ ازین معنی غافل و روزگار باوے کینہ وراست و آن عالم پناہ ازین مضمون بے خبر

اے بے خبر از سوز دل و داغ نہانی
حال دل محزوں بتو گفتیم تو دانی،،

اس عبارت سے صرف یہہ علم ہوتا ہے کہ قاسم طبسی نے ابراہیم قطب شاہ کی تخت نشینی کے دوسرے سال ۹۵۸ھ میں بادشاہ کا تقرب حاصل کرنے کی مہم شروع کی تھی۔اس امر کا کہیں بھی اشارہ نہیں ملتا کہ قاسم نے ۹۵۸ھ میں مکاتیب وفرامین کا یہ مجموعہ مرتب و مدون کیا تھا۔غالباً پروفیسر صدیقی صاحب کو اس فقرہ سے کہ « در آخر عشر اولی شہر شوال بعداز نہصد و پنجاہ و ہشت سال ہجری این میز بانی میمون بہ انجام کشید » یہہ غلط فہمی ہوی کہ ابراہیم طبسی کا اشارہ اپنے مجموعے کی تدوین کی طرف ہے لیکن اس کے آگے کی عبارت کے مطالعے سے یہہ غلط فہمی دور ہو جاتی ہے اور صاف پتہ چل جاتاہے کہ قاسم کا اشارہ کسی شاہی تقریب (جشن سالگرہ) کی جانب ہے جس میں بادشاہ نے امرا و عمائدین سلطنت کو صلۂ و انعام عطا کیا تھا لیکن قاسم کے حال زار پر نظر عنایت نہیں فرمائی تھی۔

بہر حال قاسم طبسی نے ۹۵۸ھ میں سب سے پہلے ابراہیم قطب شاہ کے وکیل مطلق مصطفے خاں کے نام ایک عریضہ روانہ کیا اور اس کے بعد مسلسل پانچ عریضے ابراہیم قطب شاہ کی خدمت میں گذرانے۔ان عریضوں پر کوئی تاریخ مرقوم نہیں ہے اس لئے ان کے زمانۂ تحریر کا تعین نہیں کیا جاسکتا لیکن یہہ امر قطعی ہے کہ یہہ سب عریضے ۹۵۸ھ کے بعد لکھے گئے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکے ایک سال کے اندر ہی ابراہیم قطب شاہ نے قاسم کے ان عریضوں کو شرف قبولیت عطا کرتے ہوے اسے اپنے لطف و کرم سے نوازا اور اس پر حد سے زیادہ مہربان ہو گیا۔قاسم طبسی کے ان عریضوں کے کچھ اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں جن سے قاسم کے حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے اور اس بات کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کس پائے کا انشا پرداز تھا۔ بادشاہ کے نام اپنے پہلے مکتوب میں وہ لکھتا ہے کہ

،،چہ شد چہ شد کہ بدیں سان رمیدۂ از من
چہ کردہ ام چہ شنیدی چہ دیدۂ از من

نمی دانم کہ سبب این بے عنایتی با چیست و باعث این بے التفاتی با کیست گر گناہے کردہ ام اینک سر و تیغ و کفن-ورنہ بے موجب نشاید دوستاں آزردنت

عالیجاہا! بروئے عالم آرائے نواب کامیاب ظاہراست کہ این دولت خواہ ازبندگان قدیم این درگاہ است وہمیشہ بہ انواع عنایت واضاف مرحمت ازامثال

و اقران براین آستانه ممتاز بود٠٠٠٠اکنوں روزگار بر گشته که چناں از نظر عنایت نواب دور افتاده که مزید به آن متصورنیست وایں معنی به غایت ظاہراست که چوں عنایت شاہانه نسبت بنده کم گرد د، جفاؤستم اہل روزگار درحق وے بسیا ر شور چنانکه در ین ولا جفاؤ بیداد کارکنان وعہده داران خان اعظم٠٠٠٠دربارۂ این بنده به مرتبۂ رسیده که فوق آن متصور نیست٠٠٠»آگے چل کر اپنی جاگیر قطب الله پور کا ذکر کرتے ہوے لکھتا ہے که قطعۂ چند زمین که ہمیشه داخل قطب الله پوربوده از زمان حضرت ملک مغفور(جمشیدقلی قطب شاه)الی غایت۔ حالاعہده داران بر کے می خواہندکه آن را خارج سازند۔ اگرایں برضائے نواب است نفس کشیده اگربرضاے نیست از روئےقانون سلطنت دست تعدی ظالمان رازسرمظلوماں کوتاه گردانید٠٠» قاسم طبسی کے اس مکتوب سے صاف ظاہر ہوتا ہے کے جمشید قلی اس پر بہت مہربان تھا اور قطب الله پور کا ایک گاؤں بطور جاگیرا سے انعام دیا تھا، لکین بعدٔ میں بعض سرکاری عہدہداروں اور کارپردازوں نے اسکی انعامی جاگیر کے کچھہ حصے کو اسکی ملکیت سے خارج کردینا چاہا۔ قاسم نے یه مسئله گولکنڈہ کے نئے بادشاہ ابراہیم قطب شاہ سے رجوع کیا اور اسی خط میں یہہ بھی خواہش کی که قطب الله پور کے موضع سے سالانه ٤٠ ہون کی جو رقم بطور لگان لی جاتی ہے وہ بھی معاف کردی جائے۔

قاسم طبسی کے تیسرے مکتوب کے متن سے معلوم ہوتا ہے کے ابراہیم نے اپنے دیوان اعلی کو قطب الله پور کے تنازعہ کی یکسوئی کا حکم دیدیا تھا لیکن اس کا کوئی نتیجه نہیں نکلا۔ اس خط سے یه بھی معلوم ہوتا ہے که سارا جھگڑا صرف دو کھیتوں کی اراضی کے بارے میں تھا۔بعض مقامی عناصر قاسم کو پریشان کررہے تھے اس خط کا ضروری اقتباس یه ہے

«ثانیاً بموقف عرض می رساند که مردم، سیل میلی، دریں مقام شده زانکه باجماعت کارکناں و عہده داران خاں عالیشان بغیر شخاں بهاین کمنیه زیادتی بکنند دوکھیت که سالهاباد که داخل قطب الله پور بوده آنرابگیرند ۔ چندنوبت این بنده به نواب عرضه داشته این معنی کرده و خردۂ خط ہمایوں حسب الدعا مکرر صادر شده ہیچ فائده نداده، اگر نواب عالم پناه عنایت فرموده امر فرمایند که مردم، سیل میلی ، بهدیوان اعلی حاضر شوندودر حضور رائے اعظم رایان راؤ مقطع این معامله نمایندکه برحقیقت و معاملۂ این دولت خواه ہیچ احدے مثل رائے معزالیه نمی داند، غایت عنایت وبنده پروری خواہد بود»

غالباً رایان راؤ سے قاسم طبسی کے دیرنیه اور دوستانه تعلقات تھے اس لئے اس نے رایاں راؤ کے مواجہه میں اپنے معاملے کی یکسوئی کی گذارش پیش کی۔ ممکن ہے که قاسم طبسی کی اس عرضداشت کی بناپر ابراہیم قطب شاہ نے قاسم کے بارے میں رایان راؤ سے پوچھاہو اور اس نے قاسم کی شخصی حیشیت اور علمی فضیلت کا حال اس کے گوش گذار کیا ہو اور اس کے بعد ابراہیم قطب شاہ نے قاسم کے معاملے میں خاص دلچسپی لی ہو۔ اس خیال کی تصدیق قاسم طبسی کے چوتھے مکتوب سے ہوتی ہے جس میں قاسم نے بتایا ہے که بادشاہ نے اس مرتبه اس کے خط کاجواب عنایت فرمایا۔اور اسے یقین دلایا کهاس کے معاملے کا خاطر خواہ تصفیه ہو جائے گا اور پھر اس کے بعد کے مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے که بالآخر قاسم کی جاگیر کا تصفیه اس کے حسب دلخواہ ہوگیا اور رفته رفته ابراہیم کی نظر میں قاسم کی وقعت و عزت اتنی بڑھ گئی که اسے مزید مناصب و مراتب سے سرفراز کیا گیا۔ اس کی درخواست پر اسے چنگیز خانی کا اعزاز بھی عطا کیاگیا۔ ابراہیم قطب شاہ نے رمضان ٩٧٥ء میں اپنے ایک فرمان کے ذریعهقاسم طبسی کو ترخانی کا اعزاز بھی مرحمت کیا۔ یه فرمان بھی زیرنظرمجموعے میں شامل ہے۔ اس فرمان میں ابراہیم نے قاسم طبسی کو " عالیجناب رفیع الدرجات کثیرالحسنات.سنی الکمالات اور بدیع الحیشیات» جیسے معززو محترم القاب سے مخاطب کیاہے اور اسے «عندلیب ہزار داستان وطوطی فصیح البیان» بتایاہے۔اس فرمان کی عبارت سے یه بھی مترشح ہوتا ہے که قاسم طبسی محض ایک صاحب طرز انشاپرداز ہی نہیں بلکه شاعر بھی تھا لیکن قاسم کا کلام ناپید ہے

"انشائے قاسم طبسی" کے مطالعہ سے اس زمانہ کے بعض تاریخی واقعات معاشرتی حالات اور بین المملکتی تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے اور اس اعتبار سے قاسم طبسی کا یہ ادبی کارنامہ قطب شاہی مؤرخین کے لئے بھی ایک اہم ماخذ ہے لیکن تعجب ہے کہ قطب شاہی دور کی تاریخ پر کام کرنے والوں نے اب تک اس نایاب ذخیرہ سے کیوں استفادہ نہیں کیا۔

وفا خاں

"انشائے قاسم طبسی" میں خان اعظم معزالدین وفا خاں کے نام، ابراہیم قطب شاہ کا جو، پروانۂ شکار، درج ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وفا خاں بھی ابراہیم کے عہد کا ایک نامور شاعر تھا ابراہیم قطب شاہ کو وفا خاں پر بہت اعتماد تھا اور سرکاری خزانے اور جامدار خانہ کے تمام معاملات اس کے تفویض کردئے گئے تھے بادشاہ اسکی انتظامی قابلیت ہی کا معترف نہیں تھا بلکہ اس کے اعلیٰ ادبی ذوق کا کا بھی قائل تھا اور شعروسخن خصوصاً قصاید و غزل میں اسے بے بدل اور بے ہمتا سمجھتا تھا وفاخاں کے نام ابراہیم قطب شاہ کے پروانہ شکار کے ایک اقتباس کا ترجمہ یہاں پیش کیا جاتاہے جس سے وفاخاں کی خصوصیات اور فن شعر میں اسکی مہارت پر کچھ روشنی پڑتی ہے اور ساتھ ہی ابراہیم قطب شاہ کی سیرت وشخصیت کے بعض پہلو بھی سامنے آتے ہیں ملاحظہ ہو:-

"سیروشکار کا شیوہ اورصحرا و مرغزار کی سیروگشت کا طریقہ نہایت روح پرور اور نشاط انگیز ہواکرتا ہے زمانۂ ماسبق کے سلاطین وامرا بھی ملک وملت اوردین و دولت کے امور کے انصرام و انتظام کے بعد اس مشغلے کو اختیار کیا کرتے تھے۔چناچہ ہم بھی اس روایت قدیم کے بموجب کبھی کبھی سیرو شکار کی طرف مائل ہوتے ہیں تاکہ اسکی بدولت آئینہ دل سے عالم پر غم کی گردو کد و رت دور ہو سکے۔

بہار ساحت و صحراؤ لالہ زار خوش است
پئے نشاط وطرب شیوۂ شکار خوش است

اور چونکہ سیر و شکار سے ہمکو طبعی مناسبت ہے اس لئے ہم نے اسکی زمام اعتبار کسی اور کے سپرد نہیں کی بلکہ اسے اپنے ہاتھ ہی میں رکھا ہے اور اب کہ دولت مآب، سعادت آیات فضیلت اکتساب، شجاعت انتساب... وحید الزماں خلاصۃ الخوانین فی الدوران معزالدین وفاخاں نے جو طریقۂ یک جہتی و وفا اور شیوۂ صدق وصفا میں فردفرید ہیں اور نہایت پسندیدہ سیرت اور حمیدہ خصلت انسان ہیں خصوصاً شعر میں بے ہمتا اور قصایدوغزل میں بے بدل ہیں . . اور زمانۂ دراز سے ہم نے سرکاری خزانۂ و جامدار خانہ کے تمام امور ان کے تفویض کر رکھے ہیں اور چونکہ ہم ان پر کامل اعتماد رکھتے ہیں اس لئے لازمی طور پر اپنے تمام اقران و امثال میں سب سے ممتاز اور ہماری عنایات سے سرفراز ہیں . . . . . (ہم سے شکار کی اجازت چاہی) لہذا انہیں شکار بحری بری کی اجازت دی جاتی ہے اور یہہ حکم صادر کیا جاتا ہے کہ ممالک محروسہ میں جہاں کہیں بھی وہ شکار کیلئے جانا چاہیں کوئی ان کی راہ میں مانع و مزاحم نہ ہو اور تعظیم و تکریم میں کسی قسم کی کسر اٹھا نہ رکھی جائے"۔ اس اجازت نامہ کے آخر میں ۹۷۵ھ کی تاریخ درج ہے

وفا خاں کی شاعری کے بارے میں ہمیں کسی اور تاریخی ماخذ سے کوئی علم حاصل نہ ہو سکا صرف مذکورۂ بالا تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم قطب شاہ کا وزیر خزانہ معزالدین وفا خاں اپنے وقت کا ایک بے مثال حاکم اور مدبّر ہی نہیں بلکہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا اور ابراہیم قطب شاہ ایک شاعر کی حیثیت سے بھی اس کے مرتبۂ و مقام کو مانتا تھا اور اس کی بے انتہا قدر وعزت کرتا تھا

میر تقی الدین الشہیر بہ میر شاہ

ابراہیم قلی قطب شاہ کے زمانہ میں میر تقی الدین، جو میر شاہ میر کے لقب سے مشہور ہین، قطب شاہی سلطنت کے کسی فوجی عہدہ پر

مامور تھے[1] بادشاہ نے ۹۸۷ھ میں انہیں قلعہ کندبیر کی تسخیر کیلئے روانہ کیا اور قطب شاہی افواج نے ان کی سرکردگی میں ، اسی سال، جنوبی ہند کے اس مظبوط اور مستحکم قلعہ کو مسخر کرلیا۔ خان زمان مصطفے خاں کے بعد میر شاہ کو ابراہیم نے اپنا وکیل السلطنتہ مقرر کیا وہ صرف ایک بڑے مدبر اور فن حرب کے ماہر ہی نہیں تھے بلکہ ایک صاحب ذوق شاعر اور بلند پایہ عالم بھی تھے - قطب شاہی تواریخ میں ان کی شاعری کا کوئی ذکر نہیں ملتا لیکن صاحب[2] تحفتہ الکرام نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ

«از بدو حال به کسب فضل وکمال توجه فرمود به هندوکن وارد گردید، در نزد ابراہیم قطب شاہ به وکالت رسیده ومدتی به آن گذرانیده۔ چون محمد قلی قطب شاہ بانی مبانی ملکداری شده به رعایت معانده معزولش گردانید، به رخصت سفر بیت الله گرفت ودر آن سفر درگذشت نظم بر جسته علاوه وفور فضل می گفت»

صاحب آتشکده[3] کے بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے - میر شاہ میر، تحصیل علوم کے بعد ابراہیم قطب شاہ کے زمانہ میں گولکنڈہ آئے - بادشاہ نے انہیں اپنے زمرۂ ملازمین میں شامل کرلیا اور وکیل الدولتہ کا عہدہ وخطاب عطا کیا - لیکن ان کے دکن میں آنے کا صحیح زمانہ متعین نہیں ہوتا البتہ یہہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد قلی قطب شاہ نے جب ۱۰۲۰ھ میں تخت سلطنت پر جلوس فرمایا تو ان کا ستارۂ اقبال زوال پذیر ہو گیا اور غالباً اسی سال انہوں نے بیت اللہ جانے کی اجازت چاہی اورگولکنڈہ سے روانہ ہوگئے لیکن راستے ہی میں انتقال کرگئے -

---

۱ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی ورق ۱۲۲ اور ۲۱۴

۲ تحفتہ الکرام حصۂ دوم ۳۲۸

۳ آتشکده ۱۰۵ -

میر شاہ میر کا کلام نادر الوجود ہے « آتشکدہ » کے مؤلف نے ان کے صرف دو شعر نقل کئے ہیں کسی اور تذکرہ میں ان کا کلام ہماری نظر سے نہیں گذرا اس لئے میر شاہ کے وہی دو ابیات یہاں پیش کئے جاتے ہیں

لطف یا غیر غایتے دارد - جور با ما نہایتے دارد

گوش بر حرف مدعا تا چند - ہر کہ بینی حکایتے دارد

باب دوم

محمد قلی قطب شاہ کا عہد

محمد قلی قطب شاہ

ابو المظفر ابراہیم قطب شاہ کے بعد اس کا تیسرا بیٹا محمد قلی قطب شاہ پندرہ برس کی عمرمیں (۲۵ ربیع الثانی ۹۷۸ھ) جلوہ آرائے مسند حکومت ہوا۔ قطب شاہی مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ محمد قلی قطب شاہ اپنی عمدہ جسمانی صحت اور اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے، کم عمری کے باوصف اپنے تمام بھائیوں پر فوقیت رکھتا تھا اس کا عہد حکومت قطب شاہی سلطنت کا زرین عہد سمجھا جاتا ہے، اس کے زمانے میں گولکنڈہ کی سلطنت کو زبردست تاریخی اور سیاسی اہمیت حاصل ہوگئی تھی - پوری مملکت میں امن و امان، خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔فراغت و آسودگی کے اس دور میں علمی ادبی اور تہذیبی ترقیوں کے راستے بھی ہموار ہوے اور قطب شاہی سلطنت کا پایۂ تخت جنوبی ہند میں علوم و فنون کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔قطب شاہی مملکت کا نیا دار السلطنت، شہر حیدرآباد اسی کے زمانے میں تعمیر ہوا جو آج بھی اس کی ایک زندہ اور یادگار نشانی کے طور پر باقی ہے۔اس کے عہد میں پڑوسی سلطنتوں سے گولکنڈہ کے خوشگوار دوستانہ تعلقات قائم ہوے - ایران کی صفویہ سلطنت سے سفارتی تعلقات کا آغاز ہوا - سلطنت کے کلیدی عہدوں پر قابل اور باتدبیر اشخاص کو مامور کیا گیا اس کے زمانے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے دکن کی مقامی روایات اور ایک مشترکہ قومی کلچر کے رجحانات کو فروغ دینے میں ذاتی طور پر بھی بہت بڑا حصہ ادا کیا اس کے عہد میں مقامی اور موسمی تہواروں کو بڑی دھوم دھام سے منایا جانے لگا - مقامی آبادی سے میل جول بڑھا اور بیرونی عناصر مقامی عناصر سے اس طرح گھل مل گئے کہ باہمی بُعد وامتیاز اور اجنبیت کی دیواریں منہدم ہوگئیں - اُس نے اپنے آپ کو

اس ملے جلے کلچر کا ایک عملی نمونہ بنا کر پیش کیا - ایرانی لباس، وضع قطع اور طریقوں کو چھوڑ کر اس نے دکن کا قومی لباس اختیار کیا اور یہیں کے طور طریقوں کو اپنایا - وہ ایک رنگین مزاج اور لطافت پسند بادشاہ تھا - شعر و شاعری اور فنون لطیفہ سے اسے فطری لگاؤ تھا - اس کے زمانے میں شعر و سخن اور رقص وموسیقی کو زبردست فروغ حاصل ہوا وہ فارسی کے علاوہ اُردو اور تلگو میں بھی شعر کہتا تھا۔اُردو شاعری کا ایک ضخیم کلیات اسکی یادگار ہے۔ وہ اردو کا سب سے پہلا صاحب دیوان شاعر گزرا ہے۔اس کا تلگو کلام نادرالوجود ہے - البتہ اس کے فارسی کلام کا کچھ حصہ دستیاب ہوتا ہے۔عصر حاضر کے ارباب نقد و تحقیق نے محمد قلی قطب شاہ کی اردو شاعری اور اس کے دور کے اردو ادب پر بہت کچھ لکھا ہے۔خاص طور سے ڈاکٹر زور نے اس دور کے ادبی کارناموں کو منظر عام پر لانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے - صاحب موصوف نے اس کے اردو کلیات[1] کو بھی بڑی محنت وکاوش سے ایک طویل مقدمہ کے ساتھ مرتب کیا ہے جو شائع ہوچکا ہے اس کے علاوہ 'حیات محمد قلی قطب شاہ' کے نام سے محمد قلی قطب شاہ کی زندگی اور اس کے عہد پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے - یہاں ہم صرف اس کے فارسی کلام سے بحث کرینگے محمد قلی کے فارسی کلام کا بہت بڑا حصہ ضایع ہوگیا - اس وقت اس کے فارسی کلام کا صرف وہی حصہ محفوظ ہے جسے ''تاریخ سلطان محمد قطب شاہی'' کے مؤلف نے اپنی تالیف میں نقل کیا ہے اس کے فارسی اور

---

[1] محمد قلی کے مجموعۂ کلام کے تین خاص نسخوں کا پتہ چلتا ہے - ایک نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں تھا میجر سی اسٹوارٹ C. Stewart نے اس کا ذکر کیا ہے۔دوسرا نسخہ شاہان اودھ کے کتب خانہ میں تھا جسکی کتابت ۱۰۲۲ھ میں ہوئی تھی۔ڈاکٹر اسپنگر نے اس کا ذکر کیا ہے۔تیسرا نسخہ کتب خانۂ آصفیہ میں تھا جس پر مولوی عبدالحق صاحب نے مضمون لکھا ہے جسے سلطان محمد کے حکم سے محی الدین کاتب نے رجب ۱۰۲۵ھ میں لکھا تھا

اُردو کلام کا ایک ضخیم کلیات، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں محفوظ تھا۔ محمد قلی قطب شاہ کی اردو فارسی شاعری کا یہ نایاب ذخیرہ مولوی عبدالحق صاحب کی نظر سے گذراتھا اور صاحب موصوف نے رسالۂ اردو[1] میں آج سے کوئی ۳۸ سال قبل اس پر ایک مضمون بھی سپرد قلم کیا تھا لیکن بعد میں محمد قلی کا یہ نایاب کلیات، آصفیہ لائبریری سے حیدرآباد کے آصف جاہ سابع میر عثمان علی خاں کے شاہی کتب خانہ میں منتقل ہوگیا اور اب کچھ پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس کا کیا حشر ہوا۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے اس کلیات کے بارے میں لکھا ہے کہ «اس کلیات کا حجم ۱۸۰۰ صفحے ہے اسے محمد قلی قطب شاہ کے بھتیجے اور جانشین سلطان محمد قطب شاہ نے بڑے اہتمام اور خلوص کے ساتھ ترتیب دیا تھا یہ نسخہ شاہی کتب خانے کا ہے اور سرورق پر سلطان محمد قطب شاہ کے قلم کی لکھی ہوی تحریر بھی ہے»، سلطان محمد قطب شاہ نے اس کلیات کے سرورق پر جو عبارت لکھی تھی وہ حسب ذیل ہے :-

« کلیات اشعار فصاحت آثار جنت مکانی فردوس آشیانی مغفرت پناہ عمّی عالیحضرت محمد قلی قطب شاہ نور مرقدہ، تمام شد » در کتب خانۂ مبارک بخط محی الدین کاتب بتاریخ اوائل شہر رجب المرجب سنہ خمس و عشرین والف محمد الزمن الہجریہ فی دارالسلطنتہ حیدرآباد حرس اللہ عن الاضداد، کتبہ العبد الخالص بمولدہ سلطان محمد قطب شاہ»

---

[1] رسالہ اردو شمارہ جنوری ۱۹۲۲ء

مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے اس مضمون میں محمد قلی کے[1] فارسی اشعار نقل نہیں کئے ہیں البتہ کلیات کے اس حصہ سے جس میں فارسی کلام درج تھا ایک صفحہ کی تصویر دی ہے اس صفحے میں تین متفرق ابیات اور سات اشعار کی ایک غزل ہے۔ محمد قلی کے یہہ سب اشعار کسی اور تذکرہ یا تاریخ میں نہیں ملتے۔

اس سے معلوم ہوتاہے کے محمد قلی قطب شاہ کی وفات کے بعد اس کے جانشین سلطان محمد قطب شاہ نے خاص اہتمام کے ساتھہ محمد قلی کا یہ کلیات لکھوایا تھا جس کی کتابت ۱۰۲۵ھ کو پایۂ اتمام کو پہونچی یعنی محمد قلی کی وفات کے پانچ سال بعد اس کے فارسی اور اردو کلام کا کلیات پہلی مرتبہ مدون ہوا۔

ڈاکٹر عبدالحق، اپنے مضمون میں بتاتے ہیں کہ «اس کلیات کی ابتدا میں سلطان محمد قطب شاہ کا منظوم دیباچہ بھی شامل ہے۔ جس میں اول اس نے بتایا ہے کہ ان نظموں کو کس طرح ترتیب دیا گیا اور پھر محمد قلی قطب شاہ کے کلام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اسی دیباچے سے یہ بھی پتہ چلتا ہیکہ محمد قلی قطب شاہ کا فارسی اور اردو کلام پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہےاور وہ ان دونوں زبانوں کے علاوہ تلگو میں بھی شعر کہتا تھا۔

لیکن مولوی صاحب موصوف نے یہ نہیں بتایا کہ اس کلیات میں محمد قلی کا فارسی کلام کتنے ابیات پر مشتمل تھا اور اردو ابیات کی تعداد کیا تھی۔ اگر وہ اس امر پر بھی روشنی ڈالتے تو آج ہمیں یہ طے کرنے میں آسانی ہوتی کہ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی میں محمد قلی کے فارسی کلام کا جتنا حصہ ملتا ہے وہی اس کا پورا فارسی کلام ہے یا مؤلف تاریخ سلطان محمد قطب شاہی نے محمد قلی کے فارسی کلام کا صرف انتخاب پیش کیاہے اور اس کا پورا فارسی کلام اس سے بہت زیادہ تھا۔ بہر حال آج ہمکو محمد قلی قطب شاہ کے فارسی کلام کا سب سے زیادہ حصہ اسی تاریخ کے اوراق پر دستیاب[1] ہوتا ہے اور اس کی روشنی میں ہم محمد قلی قطب شاہ کی فارسی شاعری پر نظر ڈالینگے۔محمد قلی کے کلام میں غزلوں کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ایک مرثیہ اور چند قطعات بھی ملتے ہیں۔اس نے زیادہ تر حافظ شیرازی کی زمین میں غزلیں لکھی ہین۔اسکی فارسی میں خالص ایرانی رنگ پایا جاتاہے۔ زبان و بیان پر اسے پوری قدرت ہے۔ تصنع اور تکلف سے اس کا کلام ملوث نہیں ہوا ہے۔ عام طور سے وہ اپنے فارسی کلام میں قطب تخلص کرتا ہے لیکن کہیں کہیں ' قطب شہ ' بھی تخلص کے طور پر استعمال کیا ہے۔ سادگی اور بے ساختگی اسکی فارسی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ روایتی مضامین کو اس نے بڑے دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے فارسی کلام کے مطالعہ سے اندازہ

ہو تا ہے کہ اس نے فارسی کے ادب عالیہ کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا تھا۔ اس کا ادبی ذوق اتنا رچا ہوا ہے کہ اس کی غزلوں کے اشعار پر فارسی کے قدیم اساتذۂ سخن کے اشعار کا دھوکا ہوتا ہے۔ قطب شاہی تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے باقاعدہ علم و فن کی تحصیل نہیں کی تھی تاہم اس کی شاعری میں کوئی سقم نہیں پایا جاتا۔ اسے شعر و ادب کا فطری اور خداداد ملکہ تھا اگر اس کا پورا فارسی کلام محفوظ ہوتا تو بلا شبہ اس کا شمار فارسی شاعری کے اساتذہ میں ہو سکتا تھا۔

حسن و عشق کے رموز و نکات، معاملہ بندی، معنی آفرینی اور خوبصورت تشبیہات واستعارات سے اس کے اشعار معمور ہیں۔ حافظ کا رنگ اس پر اتنا چھایا ہوا ہے کہ اس کے بعض اشعار بعینہ حافظ کے اشعار معلوم ہوتے ہیں۔ اس قسم کے چند شعر ملاحظہ کیجئے

مستان محبت بدو عالم نہ فروشند
کیفیت تہ جرعۂ پیمانۂ خود را

خوش بہ حد است دلم کز تو وفائے آمد
شکر باری کہ ترا بارد گر دانستم

ساقی بیار بادہ کہ فصل بہار شد
صحن چمن ز آب و ہوا لالہ زار شد

لطفے نمودہ سوئے خود آن نازنیں بخواند
مارا ز بے وفائی او این گمان نبود

محمد قلی کی غزلوں میں کہیں کہیں ایسا صوتی حسن و کیف پایا جاتا ہے جو فارسی میں صرف حافظ کی خصوصیت ہے مثلاً اس کی یہہ غزل جس کا مطلع ہے

حرفے ز لب یار شنیدیم شنیدیم
صد شکر کہ این بادہ چشیدیم چشیدیم

قافیہ کی تکرار کے باعث یہہ غزل ترنم اور موسیقی کا ایک مکمل مرقع ہے

محمد قلی کے فارسی کلام[1] کا کچھہ انتخاب یہاں پیش کیا جاتا ہے تاکہ قارئین خود اندازہ لگا سکیں کہ فارسی زبان پر محمد قلی کو کیسی قدرت حاصل تھی اور فارسی شاعری میں اس کا پایہ کیا ہے۔

مستان محبت بہ دو عالم نہ فروشند
کیفیت تہ جرعۂ پیمانۂ خود را

با شمع مگو گرمی دیوانۂ خود را
کاتش زند از رشک تو پروانۂ خودرا

ہوش و خرد از پائے درافتند چو مستان
چوں سر مہ کشی نرگس مستانۂ خودرا

با یاد تو عاشق نہ کشد منت خورشید
بستیم در روزنۂ خانۂ خودرا

گر جملہ جہاں پر شود از گوہر یکتا
خواہیم ہماں گوہر یک دانۂ خودرا

دل در غم او یافتہ صد جنت پنہاں
چوں عذر نخواہم غم جانانۂ خودرا

اے قطب شہ آخر رہ مردان، رہ عشق است
مردانہ ہمی رو رہ مردانۂ خودرا

---

[1] حدایق السلاطین ورق ۱۱٤ ب ۱۱٦ ب۔ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی ورق ۸۳ ب تا ۲۸٤ ب مولف نے لکھا ہے کہ "بنوشتن چند غزل کہ از زاد ہائے طبع گہر سنج خاقان مغل آشیاں بروختم می نماید تا باعث زیب و زینت ایں تاریخ بودہ باشد

من غم عالم ندارم عاشقی کار من است
پادشاه کشور عشقم خدایار من است

چون محمد قطب شه از عشق می گوید سخن
عاشقان را آرزوئے طرز گفتار من است

ملک محبت که داد خواه ندارد
ملک چین هیچ پادشاه ندارد

گر همه عمر نظر بر روے تو باشد
دیده بجز حسرت نگاه ندارد

منکر زاهدئه ایم و زهد و لیکن
دل سر و پروائے خانقاه ندارد

گو سپه انگیزد درد و غم بر سر ما
مرد محبت غم از سپاه ندارد

بین که چه طوفان آتش است ز عشق
آئینهٔ دل که تاب آه ندارد

تکیه گه قطب شه چون دگران نیست
جز کرم دوست تکیه گاه ندارد

حرفے ز لب یار شنیدیم شنیدیم
صد شکر که این باده چشیدیم چشیدیم

مردم همه صد درد سر بیهده دارند
گر درد سر از باده کشیدیم کشیدیم

اعجاز محبت منگر کم که دریں راه
بے بال و پر از شوق پریدیم پریدیم

این بس که تماشائے گلستان تو کردیم
گر میوهٔ وصل تو نچیدیم نچیدیم

هرچند که وحشی ست، دل آن نیست که گوید
از یار ستمگر چو امیدیم امیدیم

اے قطب شه از درد دل خویش چه گویم
مشتاق تر از خویش ندیدم ندیدم

در ره دوست دلا نیست ضرر دانستم
سخن اهل غرض بود خطر دانستم

خوش بحداست دلم کز تو وفائے آید
شکر باری که ترا بارد گر دانستم

تا به رخسار جهان سوز تو کارم افتاد
روشن سوختن آتش تر دانستم

فتنه می بارد ازان چشم و تو هم می دانی
از چه کم می کنی اے شوخ نظر دانستم

قطب شه دوش که در گلشن کوئے بودم
ذوق کیفیت مرغان سحر دانستم

بدور خط زچشمت کم نشد شوخی و صیادی
که این دام دگر شد بهر دل بے خط آزادی

دراں وادی که آتش می‌شود گلشن، دراز اہد
ہزاراں جنت است این جا، چرا دوری ازین وادی

اگر چہ نسبت زیبے بہ زعدل وداد شاہاں را
ازاں زیبندہ تر آمد بہ عاشق از تو بیدادی

بملک عشق ازسد سکندر کس نمی گوید
درین ملک مبارک رہ ندارد دست بنیادی

خرابیہا کہ دل از ترکتاز غمزۂ دارد
فدائے آن خرابی باد معموری و آبادی

دلے کزدوست نالاں شد پریشان گشت وحیراں شد
مسلماناں مبادا ہیچ کس از دوست فریادی

غم یارے کہ در دل قطب شہ دارد عجب نبود
گراز خاک درش سر برندارد یک نفس شادی

مولوی عبدالحق صاحب نے رسالہ اُردو باتیہ جنوری ۱۹۲۲ء میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کے جس کلیات پر مضمون لکھا ہے اس کے حصہ فارسی کے ایک صفحہ کی تصویر بھی دی ہے جس میں قطب شاہ کے حسب ذیل دس شعر پائے جاتے ہیں جو کسی اور تذکرہ یا تاریخ میں نہیں ملتے۔

لطفے نمودہ ، سوئے خود آں نازنیں بخواند
مارا زبے وفائی او این گماں نبود

نقد دات نثار رہ غم نہ کردۂ
اے قطب شہ چہ شد مگر او میہماں نبود

گہے تفا فل وگا ہے سلام می سوزد
چہ گو یمت کہ دلم را کدام می سوزد

سا قی بیار بادہ کہ فصل بہار شد
صحن چمن زآب وہوا لالہ زار شد

ماا قتدا بہ شرب مدام تو کردہ ایم
پر کن پیالۂ کہ زمان خمار شد

چشم فلک زاشک مقیمان بزم تو
چوں دیدۂ صراحی مے اشکبار شد

ہر جرعہ کہ زہر غضب نوش کردہ ام
از دست آں نگار مرا سازگار شد

کردیم ازرقیب نہاں راز دل چہ سود
زاں یک نگاہ راز مرا آشکار شد

اکنوں کند کنارہ زمن ناصحا چو دید
کیں صید دل بہ دست غم او شکار شد

بر وعدۂ وصال دلش خوش کن اے حبیب
چوں قطب شہ ز ہجر رخت بے قرار شد

میر سعادت علی رضوی نے اپنی تالیف کلام الملوک میں محمد قلی قطب شاہ کے ایک فارسی مرثیہ کے چھہ بند اور ایک نوحہ بھی پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ انہیں محمد قلی قطب شاہ کا یہ کلام سالار جنگ لائبریری میں چند اوراق کی شکل میں دستیاب ہوا

ملک الشعرا اسد اللہ وجہی

یہ بات ابتک نہیں معلوم تھی کہ محمد قلی کے دربار کا ملک الشعرا وجہی فارسی کا بھی بہت بڑا شاعر تھا۔ قدیم اُردو نثر میں اس کی دو کتابیں ، سب رس ، اور تاج الحقایق ، ملتی ہیں اور نظم میں اسکی مثنوی ، قطب مشتری ، اس کا ایک زندۂ جاوید ادبی کارنامہ سمجھی جاتی ہے۔ عصر حاضر کے محققین میں سب سے پہلے مولوی عبدالحق صاحب مرحوم نے وجہی کو دریافت کیا اور اپنے محققانہ اور عالمانہ مقدموں کے ساتھ سب رس ، اور قطب مشتری ، کو شایع کیا لیکن مرحوم کی تمام تر کاوش کے باوجود وجہی کے حالات زندگی پردۂ تاریکی ہی میں رہے۔

قطب شاہی دور کی تواریخ اور تذکرے بھی وجہی کے ذکر سے خالی ہیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وجہی نے طویل عمر پائی۔ قطب شاہی خاندان کے چار بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں اس کا بچپن گذرا محمد قلی قطب شاہ کے عہد حکومت میں وہ دکھنی اُردو کے ایک شیوہ بیان شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ محمد قلی نے اسے اپنے دربار کا ملک الشعرا بنایا۔ اور ۱۰۱۸ھ میں اس نے اپنی مشہور مثنوی « قطب مشتری » تصنیف کی۔ اس کے دو سال بعد جب ۱۰۲۰ھ میں محمد قلی قطب شاہ کا انتقال ہو گیا اور قطب شاہی تخت و تاج کا وارث اس کا بھتیجا اور داماد سلطان محمد قطب شاہ قرار پایا تو وجہی زمانہ کی نگاہوں سے یکلخت اوجھل ہو گیا۔

سلطان محمد نے پندرہ سال تک حکومت کی۔ اس پورے دوران میں وہ گوشہ نشینی کی زندگی گذارتا رہا لیکن سلطان محمد کے انتقال کے بعد ۱۰۳۵ھ میں عبداللہ قطب شاہ نے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی تو پھر ایک

مرتبہ قطب شاہی دربار ، شعر و ادب کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ محمد قلی قطب شاہ کی طرح عبداللہ بھی ایک شاعر مزاج اور ادب دوست بادشاہ تھا۔ اس کے زمانہ میں دکھنی اُردو کے ایک اور نوخیز شاعر غواصی نے زبردست شہرت حاصل کی۔ اور عبداللہ کے دربار کا ملک الشعرا بن گیا۔ اسی زمانہ میں وجہی بھی اپنے گوشۂ عزلت سے باہر آیا۔ اور عبداللہ نے اسے اپنے لطف و کرم سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ وجہی نے اپنی مثنوی «قطب مشتری» کی تصنیف کے تقریباً ۲۸ سال بعد ۱۰۴۸ھ میں «سب رس» لکھی جو اردو کی نثر کا پہلا اہم کارنامہ ہے عبداللہ قطب شاہ کے عہد کے تمام شاعر بہت عزت و احترام کے ساتھ وجہی کا نام لیتے ہیں اور اسے سرآمد سخنوران مانتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اپنے زمانۂ گوشہ نشینی میں اور پھر عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں کہنی نظم و نثر کے اس پختہ کار ادیب نے اور بھی بہت کچھ لکھا ہو لیکن اب تک اس کی تین ہی کتابیں دستیاب ہوئی ہیں۔ اور اب حال ہی میں مجھے اس کا فارسی دیوان ملا ہے۔ وجہی کے فارسی دیوان کا یہ نایاب و نادر نسخہ سالار جنگ لائبریری حیدرآباد کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے۔ اس دیوان کے مطالعہ سے وجہی کی زندگی کے بعض پوشیدہ گوشوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ وہ صرف اُردو کا ہی بڑا ادیب نہیں تھا بلکہ فارسی زبان پر بھی اسے پوری دستگاہ تھی۔ اور اپنے زمانہ میں فارسی شاعر کی حیثیت سے بھی وہ مشہور و معروف تھا۔

کتب خانہ سالارجنگ میں « دیوان وجیہ » کے نام سے فارسی کا ایک قلمی دیوان محفوظ ہے۔ میں نے وجہی کے فارسی دیوان کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا۔ جسکی بدولت وجہی کے فارسی کلام سے مجھے چند ایسی داخلی شہادتیں حاصل ہوگئیں جن سے اس کے بارے میں بعض نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اب تک یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ قطب شاہی دور کے اس نامور شاعر کا نام کیا تھا۔ وہ کہاں کا رہنے والا تھا اور اس کے آبا و اجداد کس ملک کے باشندے تھے۔ وجہی کی بعض فارسی غزلوں میں ایسے اشارے

مل جاتے ہیں جن سے ان تمام امور پر روشنی پڑتی ہے ۔ اور اس لحاظ سے وجہی کے فارسی دیوان کے اس قلمی نسخہ کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے ۔ امید ہے کہ قدیم دکھنی ادب پر کام کرنے والے ارباب تحقیق کے لئے یہ انکشافات کسی طرح ایک ادبی نوید و بشارت سے کم نہ ہوں گے ۔

دیوان وجیہہ کا زیر نظر قلمی نسخہ ۵ صفحات پر مشتمل ہے ۔ ہر صفحہ ۱۱ سطری ہے اس اعتبار سے وجہی کے فارسی کلام کا یہ نایاب مجموعہ کم و بیش تین ہزار نوسوابیات پر حاوی ہے ۔ افسوس ہے کہ دیوان وجہی کا یہ نایاب نسخہ ناقص الطرفین ہے ۔ ابتدا کے تو غالباً دو ایک ورق ہی غائب ہیں ۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آخر کے متعدد اوراق تلف ہو گئے ہیں ۔ دیوان کا آغاز غزلوں سے ہوتا ہے جو حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہیں ۔ صفحہ ۲۱۸ پر غزلیں ختم ہو جاتی ہیں ۔ اس کے بعد آخری ۳۳ صفحات ۵۲ رباعیوں ، چند قطعات و معمات اور قصیدوں پر مشتمل ہیں ۔ ابتدائی اور آخری چند اوراق کے بعض حصے تیزاب یا پانی کے دھبوں سے متاثر ہوگئے ہیں ۔ جسکی وجہ سے بعض اشعار بالکل نہیں پڑھے جاتے ۔ آخر کے پانچ چھہ صفحات کو کرم کتابی نے بھی نقصان پہنچایا ہے زیر نظر دیوان کے صفحۂ آغاز پر پنسل سے یہ عبارت لکھی گئی ہے ۔

« دیوان وجیہہ فارسی از سید ابراہیم یداللّٰہی تاجر کتب قدیمہ مسکونہ چنچل گوڑہ حیدرآباد » ورق ۱۹۹ کی پیشانی پر یہ عبارت ملتی ہے « مالک ایں کتاب عاصی محمد بدرالدین عرف بدھن صاحب ساکن ہرگاوں بہ سبب ضرورت درشہر حیدرآباد آمدہ بود ۔ ایں کتاب را درچوک بر مبلغ سہ روپیہ خرید نمودہ است اگر کسے بر آن نظر بد نماید شکم درد شود » اور ورق ۱۷۱ کے حاشیہ پر یہ الفاظ مرقوم ہیں ۔ « حکیم مرزا قاسم علی بیگ ۱۳۱۰ھ » ۔ ڈاکٹر زور نے بیان کیا تھا کہ انہوں نے ۲۵ سال قبل قاسم علی بیگ کے ذاتی کتب خانہ میں 'دیوان وجیہہ' دیکھا تھا ۔ غالباً یہ وہی نسخہ ہے جسے حکیم صاحب موصوف نے محمد بدرالدین عرف بدھن صاحب سے یا کسی اور صاحب سے خریدا ہوگا ۔ پھر وہ قاسم علی بیگ صاحب کے پاس سے ابراہیم یداللّٰہی تاجر کتب قدیمہ کے پاس پہنچ گیا ۔ اور پھر موصوف نے اسے نواب یوسف علی خاں سالار جنگ کے ہاتھ فروخت کردیا اور اس طرح دیوان وجہی کا یہ نادر مخطوطہ سالار جنگ لائبریری میں محفوظ ہوگیا کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہیں ہے لیکن کاغذ قدیم ہے اور کتابت کا انداز بھی دسویں صدی ہجری کا ہے ۔ کہیں کہیں حاشیہ پر بھی کچھ اشعار لکھے گئے ہیں اور متن کے اشعار میں بعض الفاظ قلمزد کر کے ان کی جگہ دوسرے الفاظ درج کئے گئے ہیں ۔ کاتب صاحب نے اکثر ہجے کی غلطیاں کی ہیں ۔ خط نستعلیق ہے لیکن معمولی ۔ دیوان کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے ۔

جائے است دریں بزم وجیہی کہ ز رشکش
حسرت یدہاں خاک کند حکمت جم را

پورے دیوان میں صرف ایک شعر ایسا ملتا ہے جس سے وجہی کے نام کا پتہ چلتا ہے ردیف ت کی ایک غزل (صفحہ ۱۳۶) کے مقطع میں وہ کہتا ہے ۔

اسمم اسداللہ وجیہہ است تخلص
آرائش دکانچہ بازار کلام است

یہ ایک ایسی واضح داخلی شہادت ہے جس کی بنا پر یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قدیم دکنی اُردو کے مشہور شاعر و نثر نگار وجہی کا نام وجیہہ الدین یا وجہہ الدین نہیں تھا جیسا کہ ابتک اہل تحقیق قیاس کرتے چلے آئے ہیں بلکہ اس کا نام اسداللہ تھا ۔ اس نام سے اس کے مذہبی عقیدہ و مسلک پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔ اس نے اپنے فارسی کلام میں

وجیہی ، وجیہہ اور وجہی تینوں الفاظ تخلص کے طور پر استعمال کئے ہیں ملا خط ہو:-

سخنہائے دروغ چند را عزت چہ خواہد بود
وجیہی شاعری بگذار و فکرکار دیگر کن

شرمندۂ بتانم ازیں بے زری وجیہہ
کس حال من بہ شاہ دکن گفت یا نگفت

عالمے رامی کنم شاگرد از اعجاز طبع
اے وجیہہ اُستاد اگر روح الامیں باشد مرا

وجیہی نے اپنے بعض فارسی اشعار میں اپنے آبائی وطن کی طرف بھی اشارہ کیا ہے - وہ کہتا ہے کہ میں تو ہندوستان میں پیدا ہوا لیکن میری طبع پاک خاک خراسان سے تعلق رکھتی ہے -

من زہند آشکار گشتم لیک
طبع پاک من از خراسان است

لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ہندوستان کے کس مقام پر وہ پیدا ہوا - قیاس غالب ہے کہ وہ گولکنڈہ میں پیدا ہوا تھا - اُسے اپنے آبائی وطن خراسان پر فخر ہے اپنے اشعار میں وہ جگہ جگہ اس کا اظہار کرتا ہے -

بیا دیوان پر فیض مرا سوئے خراساں بر
کہ ازگلبانگ شعر خویش شہرت در دکن دارم

شعر مادر معنی ام میرفت درشیراز اگر
ہمچو حافظ شہرۂ ملک خراساں می شدم

وجہی جس زمانہ میں محمد قلی قطب شاہ کے دربار سے وابستہ تھا اسی زمانہ میں مرزا محمد امین میر جملہ شہرستانی ، قطب شاہی سلطنت کی وزارت عظمی کے عہدہ پر متمکن تھا - اور گولکنڈہ کے سیاہ و سفید کا مالک بنا ہوا تھا - مرزا محمد امین ایک عالم و فاضل اور مدبر وزیر تھا - فارسی میں وہ شعر بھی کہتا تھا - اور روح الامین تخلص کرتا تھا - اس کی غزلوں کا ایک دیوان «گلستان ناز» اورخمسۂ نظامی کی طرز و تقلید میں لکھی ہوئی پانچ مثنویاں اس کی یادگار ہیں. حیدرآباد میں اس کا دربار فارسی شاعروں کا مرجع و مرکز بنا رہتا تھا - وجہی نے کئی جگہ اس کا ذکر بڑے ادب و احترام کے ساتھ کیا ہے - اور ایک جگہ تو اسے اپنا استاد بتایا ہے - کہتا ہے

سخن را پہ سدرہ رسانیدہ ام
کہ روح الامین است استاد من

وجہی کے زیر نظر فارسی دیوان کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس نے فارسی شعر گوئی کو اپنی زندگی کے ہر دور میں جاری رکھا - وجہی کی ادبی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے - محمد قلی کے زمانہ میں اس نے ایک شاعر کی حیثیت سے شہرت و عزت پائی پھر سلطان محمد کے عہد میں وہ گمنامی کی زندگی بسر کرتا رہا - اور اس کے بعد عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں وہ پھر چمکا اور سب رس ، لکھ کر زندۂ جاوید بن گیا - اس کے فارسی کلام میں ان تینوں ادوار کی جانب اشارے پائے جاتے ہیں - محمد قلی کے عہد میں اس کی شہرت و مقبولیت کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا تھا - وہ قطب شاہی دربار کا سب سے بڑا شاعر اور گولکنڈہ کا ملک الشعرا تھا یقیناً اس زمانے میں ، جو اس کا عہد شباب تھا ، اسے راحت و فراغت کے تمام اسباب میسر ہوں گے - بادشاہ وقت کی طرح وہ ایک رنگین مزاج اور عیش پسند شاعر تھا اس کے زمانہ میں اس کی زندگی تمامتر شراب و شاہد و شعر سے عبارت تھی جسکی جانب اس نے

اپنے فارسی اشعار میں بلیغ اشارے کئے ہیں لیکن جب اس کا سرپرست و قدرداں اُٹھ گیا اور سلطان محمد کا دور شروع ہوا تو اس کے عیش و آرام میں بھی خلل پیدا ہو گیا۔ سلطان محمد کو شعر و سخن سے بیر تو نہیں تھا لیکن وہ ' شراب و شاہد ' کا دشمن تھا۔ بھلا وجہی جیسے رند مشرب شاعر کا نباہ ایک ایسے متقی و پرہیز گار بادشاہ کے ساتھ کس طرح ہوسکتا تھا۔ شاہی دربار سے اس کا تعلق باقی نہیں رہا۔ اور پھر اسی کے ساتھ مفلسی و تنگدستی نے اُسے آگھیرا۔ اور وہ چشم زدن میں ایک تونگر انسان سے ایک قلاش آدمی بن گیا۔

بادشاہ جہان مفلسیم

خاک ہم نیست در خزانۂ ما

وہ دکن سے اسقدر دل برداشتہ ہو گیا کہ ترک مقام کا منصوبہ باندھنے لگا۔ ایک جگہ کہتا ہے کہ اے وجہی تو اپنے فضل و ہنر کے باوصف کیوں ایسی مفلسی اور بے زری کی زندگی بسر کر رہا ہے کیوں نہیں دکن کی سرزمین چھوڑ کر کسی اور ملک کی راہ لیتا۔

وجیہی باچنیں فضل و ہنر بے سیم وزر منشیں

بہ اقلیم دگر روخیز تا کے در دکن باشی

پھر یہ کہہ کر تسلی دیتا ہے کہ اگر تو دولتمند تھا اور آج مفلس ہو گیا ہے تو اس حالت پر دل کیوں دکھاتا ہے۔ کیونکہ زمانہ کا یہی دستور ہے کہ کبھی وہ سازگار ہے اور کبھی ناسازگار

گر ز دولت در گدائی آمدی غمگیں مباش
کار دنیا ایں چنیں است گاہ ہست و گاہ نیست

اور پھر اپنی گدائی اور فقیری پر فخر کرتا ہے

بادشہ را گو کہ بر جاہ و جلال خود مناز
کیں گدایاں را توقع ہیچ ازیں در گاہ نیست

لیکن بے زری اور تنگدستی نے بہرحال اس کی زندگی کو تلخ واندوہ گیں بنادیا تھا۔ خاص طور پر اس لئے کہ بے زری اور مفلسی کے باعث وہ اپنے شوق میخوشی کو پورا نہیں کر سکتا تھا اور پھر بتوں کے آگے بھی اسے شرمندہ ہونا پڑتا تھا کیونکہ عشق بھی تو طالب زر ہوتا ہے۔ اس کیفیت کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے

شرمندۂ بتانم ازیں بے زری وجیہ
کس حال من بہ شاہ دکن گفت یا نگفت

سلطان محمد کے عہد کی تمام رنگ رلیاں اور بادہ نوشی و مے خواری کی ساری آزادیاں ختم ہو چکی تھیں۔ وجہی جیسے رند مشرب شاعر کے لئے یہ صورت ناقابل برداشت تھی چنانچہ وہ اپنے فارسی اشعار میں بار بار اس تکلیف دہ صورت حال کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بادشاہ کے خوف سے آجکل اس شہر میں شراب کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں آتا۔ اور میں صحبت نیت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تو بتاؤ کہ پھر کیا کروں۔ کیا شراب کے بجائے بھنگ پینے لگوں یا افیون کا استعمال شروع کردوں۔

زخوف شاہ دریں شہر بادہ پیدا نیست
بہ بنگ میل کنم یا بہ کو کنار کدام؟

اور پھر ایک جگہ بڑے زعم کے ساتھ کہتا ہے کہ کوتوال شہر کی کیا مجال کہ ہمیں شراب خوری سے روکے۔ کیونکہ گدایان طریقت پر بادشاہ کا حکم نہیں چل سکتا

چیست قدرت شحنہ را تا منع از بادہ کند
بر گدایان طریقت حکم شاہنشاہ نیست

اپنی ایک مسلسل غزل میں اس نے یہہ اشارہ بھی کیا ہے کہ کسی خدا ناترس

نے جس کے دل میں پہلے سے میرے خلاف بغض ونفرت کی آگ بھری ہوی تھی، موقع پاکر بادشاہ کو میری طرف سے بدظن کردیا۔ اوو میری نیک نامی کو نقصان پہنچایا یہ بتانا مشکل ہے کہ ان اشعار میں وجہی نے کس بادشاہ کی طرف اشارہ کیا ہے قیاس غالب یہی ہے کہ یہ اشارہ سلطان محمد کی جانب ہے اس مسلسل غزل کے چند اشعار ملا حظہ ہوں

عبث ازمن جداکر داست دشمن بادشاہم را
گنہ ازاو ست گونا حق بہ شہ گفت ایں گناہم را
بہ گوش شہ رسانیداست جرمے کاں کہ لائق نیست
پناہ خویش می سازد بہ ایں حیلہ پناہم را
صوابم رابہ صد حیلہ لباس جرم پوشانید
مگر سوئے فلک راہم نخواہد داد آہم را
ازاول ایں خدانا ترس گویا بغض دردل دارد
بہ بد نامی من آورد آخر نیک خواہم را

آخر کار زمانہ بدلا۔ عبداللہ قطب شاہ سریر آرائے سلطنت ہوا تو وجہی کے دن بھی پھرے نئے بادشاہ نے اس عمر رسیدہ اور پختہ کار شاعر کو اپنے دربار میں بار یاب کیا۔ اور اہل دربار اور شعرائے وقت نے اسے سر آنکھوں پر بٹھایا اس نئے دورکا اس نے بڑے جوش وخروش کے ساتھہ خیر مقدم کیا ھے کہتا ہے کہ تمھیں خبر نہیں میرا دور تنگد ستی ختم ہوگیا۔ اب میں نے گدائی اور گوشہ نشینی کی زندگی ترک کردی ہے اور نئے بادشاہ کے لطف و کرم سے میں پھر دولتمند بن گیا ہوں

نشنیدۂ وجیہ گدائی گذا شتم
گشتم تو انگر از کرم بادشاہ نو

وجہی کے ایک شعر سے اس کے سکونتی مکان کا محل وقوع بھی ظاہر ہوتا ہے محمد قلی قطب شاہ کے اوائل عہد حکومت میں گولکنڈہ کی آبادی بہت بڑھ گئی

تھی۔ چنانچہ اسی دشورای پر قابو پانے کے لئے محمد قلی نے موسی ندی کے کنارے ایک نئے شہر کی بنا ڈالی جسے بعد میں بادشاہ کی چہیتی ملکہ حیدر محل کے نام پر حیدرآباد سے موسوم کیا گیا۔ لیکن حیدرآباد بہشت بنیاد کی تعمیر سے پہلے گولکنڈہ میں مکانات کی قلت کا جو حال تھا اس سے تنگ آکر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وجہی نے گولکنڈہ کی آبادی سے باہر اپنا مکان بنوایا تھا جسکی جانب وہ اس شعر میں اشارہ کرتا ہے

تنگ آمدہ از خانہ ہمہ شہر وجہی
چوں جانوراں کلبہ بصحرائے زخس بست

وجہی کے زیر نظر فارسی دیوان میں بعض قطعات بہت اہم اور دلچسپ ہیں جن میں سے دو قطعات سوری راؤ کے شکایت اور مذمت میں ہیں۔ گولکنڈہ کے وزیر اعظم امین الملک کے انتقال (١٠٠٨ھ) کے بعد عارضی طور پر سوری راؤ کو مملکت قطب شاہیہ کا میر جملہ مقرر کیاگیا تھا۔دو تین سال تک وہ اس عہدے پر فائز رہا۔ اور پھر ١٠١١ء میں ایران کے ایک نووارد اور نوجوان شاعر محمد امین میر جملہ شہر ستانی کو یہ عہدۂ جلیلہ تفویض کیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوری راؤ کی وزارت کے زمانے میں وجہی کو سرکاری وظیفہ اور منصب بر وقت وصول نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ بادشاہ سے سوری راو کی شکایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ سوری راؤ نے" زر سال گذ شتہ اب تک نہیں دیا ہے جب کبھی میں عرضی گذرانتا ہوں تو وہ وعدہ کرلیتا ہے لیکن وعدہ کی تکمیل نہیں ہو پاتی اس بات کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے

وعدۂ می دہد مرا ہر روز
کہ براں وعدہ نے سراست نہ پاؤ (پاوں)

اس قطعہ میں وجہی نے فارسی کے ساتھہ دکنی اردو کے بعض الفاظ بھی بے تکلف استعمال کئے ہیں اس شعر کا دوسرا مصرع تو پورے کا پورا قدیم اردو میں ہے کہتا ہے

سال رفت و ہنوز می گوید
خوب ہے کیاہتا(ہوتا) ہے دینگے(دیں گے) جاؤ

ایک اور قطعه میں سوری راؤ کی بے انتہا مذمت کی ہے ۔ اس قطعه کے بعض اشعار کرم خورده ہیں لیکن جو اشعار پڑھے جاتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے که سوری راؤ سے وجہی کے تعلقات نہایت کشیدہ ہو گئے تھے ۔ قطعه کے آخری اشعار میں بادشاہ وقت سے استدعا کرتا ہے که اب تو میرے حال زار پر رحم فرما کیونکه سوری راؤ سے تو انصاف کی کوئی توقع باقی نہیں رہی اس قطعه کے چند اشعار ملاحظه ہوں ۔

طو طیا نیم ماشکر بخشا
چند گردیم گرد مردارے
خون من صرف گردن اوست
زیر چرم است استخوان بارے
خواستم حق خود جواب نداد
چه بگوید کسے به دیوارے
تو طبیبی ز تو عجب نبود
گر شفائے دہی به بیمارے

زیر نظر دیوان کے آخر میں ایک نا تمام قصیدہ ہے ۔ قیاس غالب یہی ہے که وجہی نے یه قصیدہ اپنے ممدوح و سر پرست محمد قلی قطب شاہ کی تعریف میں لکھا ہوگا ۔ اس کے چند اشعار ملاحظه ہوں ۔

بادشاہ جہاں ، جہاں پرور
ظل سبحان و ذات پیغمبر
تو سراپا تمام آئینه
خود تماشا شدی به خود بنگر
ہمت و حام و علم و دانش و جود
داب و آداب و شان و شوکت و فر
پادشاہے چو تو نه شد پیدا
خسروے چوں تو کس نه شد دیگر

مرزا محمد امین میر جمله شہرستانی

محمد قلی قطب شاہ کے عہد حکومت میں فارسی کے جتنے عالم اور شاعر ، ایران سے حیدرآباد آئے اُن میں محمد امین کا مرتبه و مقام سب سے اونچا ہے ۔ ایک ذہین و جوان سال شاعر اور ایک مدبر کی حیثیت سے ادب و سیاست کی تاریخ اُسے فراموش نہیں کرسکتی ۔

حیدرآباد میں اسکی آمد کا سنه متعین کرنے کے لئے خود اسکے بعض اشعار سے ہمیں پوری مدد ملتی ہے ۔ اپنی مثنوی "شیریں خسرو" میں اُس نے اپنے سفر ہند کا ذکر اس طرح کیا ہے ۔

چوں نه بر بست افزوں شد به سالم
بیامد آمد و دولت به فالم
روانم کرد سوئے ہند اختر
به آب خضر شد کامم رواں تر

ان اشعار سے صاف اس بات کا پته چلتا ہے که ۲۹ برس کی عمر میں اس نے ترک وطن کیا لیکن سوال یه پیدا ہوتا ہے که وہ اپنے وطن سے نکل کر سیدھا حیدرآباد پہنچا یا ہندوستان کے کسی اور شہر میں سکونت پذیر ہوگیا ۔ طاہر نصرآبادی نے اپنے "تذکرۂ شعراء" میں مرزا محمد امین کے تعلق سے لکھا ہے که :—

"در اوان شباب روانۂ ہند شده در خدمت جہانگیر بادشاہ نہایت اعتبار بہم رسانیده بر منصب میر جملگی سرفراز شد" لیکن طاہر نصرآبادی کا یه بیان صحیح نہیں ہے ۔ طاہر نصرآباری کے بیان میں دو غلطیاں ہیں ، اول یه که جب ۱۰۱۰ھ میں مرزا محمد امین نے اپنے وطن سے ہندوستان

کا رخ کیا تو دہلی کے تخت سلطنت پر شہنشاہ جہانگیر نہیں بلکہ اکبر اعظم جلوس فرما تھا، دوسرے یہ کہ مغلیہ سلطنت میں "میر جملگی" کے نام کا کوئی عہدہ نہیں تھا۔ اسکے علاوہ قطب شاہی تواریخ اور تذکروں سے یہ امر محقق ہے کہ محمد امین ۱۰۱۰ھ میں حیدرآباد پہنچا اور ۱۰۱۱ھ میں سلطنت قطب شاہی کے عہدۂ میر جملگی پر مامور ہوا[1] البتہ جب وہ محمد قلی قطب شاہ کے انتقال کے بعد ۱۰۲۱ھ میں حیدرآباد سے اپنے وطن واپس چلا گیا تو کوئی چھ برس کے بعد ۱۰۲۷ھ میں دوبارہ اُس نے ہندوستان کا رخ کیا اور اس مرتبہ وہ دہلی پہنچ کر شہنشاہ جہانگیر کے دربار سے وابستہ ہوگیا۔ "ماثر الکلام[2]"، کا مؤلف ابو طالب کلیم ہمدانی کے بیان میں لکھتا ہے کہ جب ابوطالب کلیم دوسری مرتبہ ہندوستان آیا تو "با میر جملہ شہرستانی متخلص بہ روح الامین مصاحب و مربوط گشت و تمتعے برداشت و در مدح اُو ..... قصائد غرا پرداخت"۔ یہ وہی فارسی کا مشہور شاعر ابو طالب کلیم ہمدانی ہے جو عہد جہانگیری میں دوبارہ ہندوستان آیا تھا اور شاہجہاں کے عہد میں ملک الشعرا بن گیا تھا۔ ابوطالب کلیم کے دیوان میں کئی قصیدے روح الامین کی تعریف و توصیف میں ملتے ہیں۔

غرضکہ مرزا محمد امین نا معلوم اسباب کی بنا پر ۱۰۱۰ھ (۱۶۰۲-۱۶۰۱ء) میں اپنے وطن سے روانہ ہوکر اسی سال حیدرآباد پہنچا اور حیدرآباد پہنچنے کے دوسرے ہی سال یعنے ۱۰۱۱ھ میں قطب شاہی سلطنت کے پیشوا میر محمد مومن کی سفارش پر میر جملگی کا معزز ترین عہدہ اسکے تفویض کیا گیا۔[3] اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت یہ اہم خدمت تقرر طلب تھی اور اس خدمت کو پر کرنے کے لئے محمد قلی قطب شاہ کسی جوہر قابل کی تلاش میں تھا۔ اس سلسلے میں بادشاہ کے آگے کئی نام پیش کئے گئے لیکن بالآخر میر محمد مومن کی مساعی کارگر

۱ - "تاریخ سلطان محمد قطب شاہی" ورق ۲۶۱ ب "حدائق السلاطین" صفحہ ۱۸۲

۲ - "ماثر الامرا" ورق ۴۶ ب

۳ - حدائق السلاطین صفحہ ۱۸۲

ہوئیں اور محمد امین شہرستانی کا انتخاب عمل آیا۔[1] اس وقت محمد امین نے اپنی

۱ - "ہسٹری آف گولکنڈہ" کے لائق مؤلف پروفیسر عبد المجید صدیقی (مرحوم) نے مرزا محمد امین شہرستانی اور الف خاں امین الملک کی دو جداگانہ شخصیتوں میں کوئی فرق نہیں کیا ہے جسکی وجہ سے متعدد تاریخی غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ الف خاں ملک امین الملک، مرزا محمد امین شہرستانی سے قبل میر جملگی کے عہدہ پر فائز تھا۔ الف خاں ملک نے ۱۰۰۸ھ میں وفات پائی۔ تب سے میر جملگی کی فرائض عارضی طور پر سوری راؤ انجام دے رہے تھے۔ "تاریخ سلطان محمد قطب شاہی" کے مؤلف نے صاف طور پر لکھا ہے کہ ملک امین الملک کے انتقال ۱۰۰۸ھ کے بعد میر جملگی کے عہدہ پر کسی قابل اور موزوں شخص کے تقرر کا سوال تھا محمد قلی قطب شاہ کے آگے اس عہدۂ جلیلہ کے لئے کئی نام پیش ہوئے تھے لیکن آخر کار ۱۰۱۱ھ میں محمد قلی نے مرزا محمد امین کو اس خدمت کے لئے منتخب کیا۔ "تاریخ سلطان محمد قطب شاہی" میں (ورق ۲۶۱ ب) اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے "بحکم سابقہ تائید الہی، ذات حمیدہ صفات، اختر برج سیادت، میرزا محمد امین کہ بہ وفور کاردانی واصابت رائے از ہمگاں ممتاز بود، منظور انظار خاقان زماں گردیدہ، قامت قابلیتش بہ خلعت وزارت و جملۃ الملکی آرائش یافت"۔ چونکہ "ہسٹری آف گولکنڈہ" کے فاضل مولف نے ملک امین الملک اور میرزا محمد امین کو ایک ہی شخصیت سمجھ لیا ہے اس لئے وہ میرزا محمد امین کے واسطے بھی "امین الملک" کا خطاب استعمال کرتے ہیں حالانکہ کسی مؤرخ یا تذکرہ نگار نے بھی انہیں امین الملک کے خطاب سے مخاطب نہیں کیا ہے۔ وہ تاریخ میں جملۃ الملک میرزا محمد امین یا میر جملہ یا میر جملہ شہرستانی کے نام سے مشہور و متعارف ہیں۔

اپنی مثنوی "شیریں خسرو" میں میرزا محمد امین نے جملۃ الملکی کے عہدہ پر اپنے تقرر کا اشارہ اس طرح کیا ہے۔

پس از سالیم دولت یار گردید
زاخوایم چشم دل بیدار گردید

زندگی کے ۳۰ ویں برس میں قدم رکھا تھا ۔ اس کم عمری کے با وصف ایسے اہم اور ذمہ دارانہ عہدہ پر محمد امین کے تقرر کا فیصلہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اس نو وارد ایرانی شاعر میں وہ تمام خصوصیات بدرجۂ اتم موجود تھیں جو اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کے لئے درکار تھیں محمد امین نے میرجملگی کی عنان اختیار اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اپنی صلاحیت و تدبیر کے ایسے جوہر دکھائے کہ دیکھتے ہی دیکھتے قطب شاہی سلطنت کے طول و عرض میں اس کا طوطی بولنے لگا اور کوئی دس برس تک وہ قطب شاہی سلطنت کے سفید و سیاہ کا مختار کل بنا رہا ۔

مرزا محمد امین شہرستانی ، اصفہان کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوا تھا ، ہماری تحقیق کے بموجب اس کا سنہ پیدائش ۹۸۱ھ قرار پاتا ہے ۔ اسکی ابتدائی زندگی اور تعلیم و تربیت کے حالات پردۂ خفا میں ہیں ، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ کم عمری ہی میں اس نے ایک شیوہ بیان شاعر کی حیثیت سے اپنا نام پیدا کرلیا تھا ۔ شاعری میں وہ « روح الامین » اور « روح امین » تخلص کرتا تھا ۔ اس کا چچا میر جلال الدین حسین [1] فرمانروائے ایران شاہ عباس صفوی اول (۱۰۳۸-۹۵۵ھ) کے عہد میں عراق و مازندران کا صدر تھا ۔ اس بنا پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ محمد امین کو بھی اپنے چچا کے توسط سے صفویہ دربار میں کوئی رتبہ و اعزاز حاصل ہوگیا ہوگا کیونکہ

۱ ۔ محمد امین کے چچا میر جلال الدین حسین کا ۱۰۱۶ھ میں انتقال ہوگیا ، ان کے بعد عراق و مازندران کے عہدۂ صدارت پر محمد امین کے چچا زاد بھائی مرزا رضی کو مامور کیا گیا جو بعد میں شاہ عباس صفوی کے رشتۂ دامادی میں بھی منسلک ہوگئے مرزا رضی کی وفات ۱۰۲۶ھ کے بعد ان کے بیٹے یعنے شاہ عباس صفوی کے نواسے صدرالدین محمد کو اس عہدۂ جلیلہ پر مقرر کیا گیا لیکن چونکہ صدرالدین محمد کمسن تھا اس لئے امور نظم و نسق کی انجام دہی کے فرائض مرزا رضی کے چچا زاد بھائی مرزا رفیع کے سپرد کئے گئے اور پھر انہیں بھی شاہ عباس نے اپنا داماد بنا لیا ۔

کم عمری ہی میں وہ ایک شیوہ بیان شاعر کی حیثیت سے نام پیدا کرچکا تھا اور شاہ عباس شعر و ادب کا بیحد قدردان و دلدادہ تھا لیکن شاہ ایران کے دربار سے اسکی وابستگی کے ثبوت میں کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی ۔

« تاریخ سلطان محمد قطب شاہی » اور « حدائق السلاطین » میں روح الامین کی مرتبت و توقیر کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ — « روح الامین نے میر جملگی کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد اپنی لیاقت و کاردانی کی بدولت قطب شاہی سلطنت کی سیاسی ، تہذیبی اور ادبی زندگی کو بے انتہا فروغ دیا ۔ عمارات بنوائیں ، باغات لگوائے اور شعر و ادب و علم و حکمت کی جی کھول کر قدردانی اور سرپرستی کی . . . تھوڑی ہی مدت میں اس کا مرتبہ تمام وزرا اور امرا سے بلند و برتر ہوگیا . . . بادشاہ نے اسے اپنا میر جملہ بنانے کے بعد قیمتی جواہرات سے مرصع جو قلمدان اسے عطا کیا تھا اس سے پہلے کسی بڑے سے بڑے امیر یا وزیر کو ایسا قلمدان نہیں دیا گیا تھا ۔ اسکی سالانہ تنخواہ دو لاکھ ہون (تقریباً ۲۰ ہزار تومان) مقرر ہوئی تھی ۔ اپنی میر جملگی کے آٹھویں برس میں اسکی شوکت و حشمت اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی ۔ یہی وہ زمانہ ہے جب اس نے بادشاہ وقت محمد قلی قطب شاہ کو اپنے گھر مدعو کیا تھا اور محمد قلی قطب شاہ نے اپنے چہیتے وزیر کی دعوت قبول فرمالی تھی ۔ شاہانہ ضیافت کی اس شاندار تقریب کے موقع پر محمد امین نے جو بیش قیمت تحائف اپنے مہمان کی خدمت میں پیش کئے تھے اس کا احوال ہمارے آگے الف لیلہ کا طلسمی نقشہ پیش کردیتا ہے " [1]

محمد امین نے ۱۰۱۱ھ سے ۱۰۲۰ھ تک محمد قلی قطب شاہ کے میرجملہ کی حیثیت سے خدمت انجام دی لیکن محمد قلی قطب شاہ کے انتقال (۱۰۲۰ھ) کے بعد حیدرآباد کے سیاسی حالات اسکے لئے سازگار نہیں رہے ۔ چنانچہ

۱ ۔ حدائق السلاطین صفحہ ۱۸۳ ب تا ۱۸۴ الف

سلطان محمد قطب شاہ کی تخت نشینی کے دوسرے ہی سال یعنی ۱۰۲۱ھ میں اُس نے بادشاہ کی خدمت میں عرضی گذرانی کہ « امور مملکت کی ذمہ داریوں سے اُسے سبکدوش کردیا جائے اور مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے » سلطان محمد نے اسکی درخواست قبول کرلی اور اُسے مع اپنے مال و متاع کے حیدرآباد سے رخصت ہونے کی اجازت مل گئی ۔ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی[1] کے مؤلف نے لکھا ہے کہ « ۹ ۔ ربیع الاول سنہ احد و عشرین و الف ، سیادت پناہ میر محمد امین میرجملہ استدعائے رخصت زیارت امام جن و انس نمودہ ، التماس او درجۂ قبولیت یافت و موازی دہ ہزار ہون خرچ راہ بہ اُو مرحمت فرمودہ مرخص گردانید » غرض کوئی گیارہ برس تک حیدرآباد میں قطب شاہی سلطنت کے اعلی ترین عہدہ پر فائز رہنے اور انتہائی شان و شوکت کی زندگی گذارنے کے بعد محمد امین حیدرآباد سے رخصت ہوکر بیجاپور پہنچا لیکن بیجاپور کے فرمانروا ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں جب اُسکی کچھ توقیر و تکریم نہیں ہوئی تو وہاں سے وہ اپنے وطن ایران چلا گیا ۔ ممکن ہے ایران پہنچنے سے پہلے اُس نے عراق اور حجاز کا بھی سفر کیا ہو لیکن تواریخ اور تذکروں سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد سے روانہ ہونے کے تیسرے سال یعنی ۱۰۲۳ھ میں وہ ایران میں موجود تھا اور شاہ عباس صفوی اول کے جلوس کے ۲۸ ویں سال ۱۰۲۳ھ کے اواخر میں شاہ عباس کے دربار میں باریاب ہوا تھا ۔ شاہ عباس گرجستان کے سفر سے واپس ہورہا تھا اور ارش کے کنارے اُس نے محمد امین کو شرف ملاقات عطا کیا تھا ۔ تاریخ عالم آرائے عباسی صفحہ (۴۰۵) کے مؤلف اسکندر منشی نے لکھا ہے کہ « محمد امین نے دکن سے اپنے ترک تعلق کا سبب یہ بتایا کہ اسے وطن کی یاد بہت ستا رہی تھی » اسکندر منشی نے محمد امین کے اس بیان کا مذاق اڑاتے ہوئے اُس کے کردار اور اخلاق و آداب کے بارے میں اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ « از بسیاوئ رشد و بلند پروازی مختان

۱ ۔ « تاریخ سلطان محمد قطب شاہی » ورق ۲۹۱ ب

گزاف ازو سرمی زد کہ مستحسن طبایع سلیمہ نبوو و جز وزارت دیوان اول و وکالت نفس ہمایوں بہ ہیچ منصبے راضی نہ شد »

اسکندر منشی کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ محمد امین صفوی دربار میں وزارت اعلی کا متمنی تھا اور یہ بات سمجھ میں بھی آتی ہے ۔ چونکہ وہ دس برس تک اپنے وطن سے بہت دور ایک بڑی سلطنت کا وزیر اعلی رہ چکا تھا اس لئے خود اپنے وطن میں کسی کمتر حیثیت پر قناعت کرنے کا تصور تک نہ کرسکتا تھا اور پھر اس کے خاندان کے کئی افراد صفوی سلطنت کے بڑے بڑے ذمہ دارانہ عہدوں پر مامور تھے اور اس وقت بھی عراق و مازندران کی صدارت کل کے عہدۂ جلیلہ پر اس کا چچا زاد بھائی مرزا رضی فائز تھا ایسی صورت میں اس کی یہ خواہش کوئی بیجا خواہش نہیں تھی کہ شاہ عباس اسکی خاندانی مرتبت اور خود اسکی اپنی اعلی حیثیت اور امور مملکت میں اس کے دس سالہ تجربے کی بنیاد پر اسے سلطنت صفویہ کے سب سے بڑے عہدے پر مامور کرے لیکن محمد امین کے یہ خواہش پوری نہوسکی کچھ دنوں تک وہ اصفہان میں گوشہ نشینی کی زندگی گذارتا اور مستقبل کے منصوبے بناتا رہا اور یہیں سے اس نے شہنشاہ جہانگیر کی خدمت میں یہ معروضہ روانہ کیا کہ اسے تیموری دربار سے وابستگی کا شرف عطا کیا جائے ۔ جہانگیر نے اسکی گذارش قبول فرمالی اور فرمان بھیج کر اسے دہلی بلا لیا ۔ جہانگیر کا فرمان ملتے ہی محمد امین نے پھر اپنا رخت سفر استوار کیا اور اپنے اہل و عیال کو اصفہان میں چھوڑ کر ۱۰۲۷ھ میں دہلی پہنچا[1] اور شہنشاہ جہانگیر کی سلک ملازمت میں داخل ہوگیا ۔ شہنشاہ جہانگیر نے محمد امین کو بیس ہزاری منصب اور خلعت و انعام

۱ ۔ شاہ عباس کو محمد امین کا یہ اقدام پسند نہیں آیا تاہم تاریخ عالم آرائے عباسی کے بموجب محمد امین کے اس طرح بلا اجازت ہندوستان چلے جانے کے باوجود اسکے اہل و عیال کے ساتھ جو اصفہان میں مقیم تھے کوئی برا سلوک نہیں کیا گیا ۔

سے سرفراز کیا[1] غرض دہلی میں محمد امین نے پھر سے زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز کیا ۔ جہانگیر کی وفات ۱۰۳۵ھ کے بعد شاہجہاں کے دور اقتدار میں اس نے اور زیادہ مراتب و مناصب حاصل کئے اور میر بخشی کی خدمت پر مامور ہوا اور آخر وقت تک مغلیہ دربار سے وابستہ رہا ۔ محمد امین نے ۶۶ برس کی عمر میں ۱۰ ۔ ربیع الثانی ۱۰۴۷ھ کو وفات پائی ۔

محمد امین کی زندگی کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے پہلا دور اسکی زندگی کے ابتدائی ۲۸ برسوں پر مشتمل ہے یہ زمانہ اس نے اپنے وطن میں گذارا اور شاعری کی دنیا میں نام پیدا کیا ۔ اسی زمانے میں اس نے « گلستان ناز » کے نام سے اپنی غزلوں کا ایک دیوان مدون کیا ۔ اسکی شاعری کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا ۔

اسکی زندگی کا دوسرا دور ۱۰۱۰ھ سے شروع ہوکر ۱۰۲۱ھ تک جاری رہتا ہے ۔ ۲۹ برس کی عمر میں (۱۰۱۰ھ) وہ حیدرآباد پہنچا اور ۱۰۱۱ھ میں قطب شاہی سلطنت کی میر جملگی کے اعلیٰ ترین عہدہ پر فائز ہوگیا ۔ کوئی گیارہ برس تک وہ حیدرآباد میں قطب شاہی سلطنت کا دست راست بنا رہا اور رفتہ رفتہ اس نے پیشوائے سلطنت میر محمد مومن سے زیادہ اثر و اقتدار حاصل کرلیا ۔ محمد قلی قطب شاہ کے عہد کا وہ سب سے بڑا ، سب سے دولتمند اور سب سے مشہور و معزز حاکم تھا ، اس نے اپنی اقبال مندی اور جاہ و ثروت کا اعتراف مثنوی « شیریں خسرو » میں اس طرح کیا ہے —

شدم از خادمان پائے بختش — مرا بنواخت بیش از بیش تختش
شمار عمر چوں بگذاشت شش سال — بہ چوگانم درآمد گوئے اقبال
چو ہفدہ شد فزوں از الف تاریخ — درخت دولتم را سخت شد بیخ
۱۰۱۷

۱ ۔ " تزک جہانگیری " صفحہ ۲۲۶ ۔ « دوازدہ اسپ و نہ ثغور قماش و دو انگشتری پیش کش گذرانید » چو از روئے عقیدت و اخلاص آمدہ ، شمولی مواطف مراحم ساختہ بالفعل بیست ہزار درب چرخی و خلعت عنایت شد

محمد امین کی اقبال مندی و خوش بختی کا یہ دور ہر چند کہ شعلۂ مستعجل ثابت ہوا لیکن اسی دور میں اسکی شاعری کے جوہر چمکے اور اُسے اپنی فنی استعداد و صلاحیت کے اظہار کا موقع ملا ۔ ایک بڑی سلطنت کے نظم و نسق کی ذمہ داریوں اور مصروفیتوں کے باوجود اسی زمانے میں اس نے خمسۂ نظامی کے تتبع میں چار بلند پایہ مثنویاں لکھیں (جن کا ذکر آگے آئیگا) اور حیدرآباد کو علم و ادب کا ایک عظیم الشان گہوارہ بنادیا ۔

محمد امین کی زندگی کا تیسرا دور پریشانی ، بے اطمینانی اور گم نامی کا دور رہا ہے ۔ ۱۰۲۱ھ میں وہ حیدرآباد سے رخصت ہوا اور ۱۰۲۶ھ تک تقریباً چھ سال کا زمانہ اُس نے بڑی بے سروسامانی کے عالم میں گذارا اس دور میں بھی یقیناً اسکی شعری تخلیقات کا سلسلہ جاری رہا ہوگا لیکن عصری تواریخ اور تذکروں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا ۔

اسکی زندگی کا چوتھا اور آخری دور مغلیہ دربار سے اسکی وابستگی کا دور ہے جو کم و بیش ۲۰ برسوں پر حاوی ہے ۔ اس دور فراغت میں تو یقیناً اُس نے بہت کچھ لکھا ہوگا لیکن افسوس کہ اسکے اس دور کی شعری اور ادبی تخلیقات کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا [1]

۱ ۔ شہنشاہ جہانگیر نے اپنی تزک میں محمد امین کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے ۔ « درین تاریخ میر جملہ از عراق آمدہ دولت زمین بوسی دریافت مشار الیہ از سادات معتبر اصفہان است و سلسلۂ اینہا در عراق ہمیشہ عزت داشتہ اند ، و الحال برادرزادۂ او میر رضی در خدمت برادرم شاہ عباس بہ منصب صدارت اختصاص دارد ، صبیحۂ خود را بہ اُو نسبت کردہ ، میر جملہ پیش از چہاردہ سال از عراق برآمدہ نزد محمد قلی قطب الملک بہ گلکنڈہ رفتہ بود ، نامش محمد امین است و قطب الملک او را میر جملہ خطاب دادہ بود مدت دہ سال مدار علیہ او بود و صاحب سامان شدہ بعد از آنکہ قطب الملک مذکور ودیعت حیات سپردہ و نوبت ریاست بہ برادرزادۂ او رسید بہ میر جملہ

حاشیہ بسلسلہ صفحہ ۵۷

سلوکے خاطر خواہ او باشد نہ کردہ و میر جملہ رخصت گرفتہ بہ وطن شتافتہ و شاہ بنا بر نسبت میر رضی عزتے کہ مردم صاحب سامان را در نظر می باشد بہ میرمذکور توجہ و شفقت بسیار ظاہر فرمودہ و اُو نیز پیشکش ہائے لائق گذرانیدہ مدت بہ چہار سال در عراق بسربردہ و ملک ہائے بہم رسانیدہ و چوں معروضی گشت کہ اُو ارادۂ خدمت این درگاہ دارد فرمان فرستادہ بدرگاہ طلب فرمودم مشار الیہ بہ مجرد رسیدن فرمان ، ترک تعلقات نمودہ جریدۂ روئے اخلاص بدرگاہ نہاد و دریں تاریخ بہ عز بساط بوس این مفتخر گشت »

« دہلی میں اکثر شعرا اسکے متوسل تھے ۔ ۱۰۳۰ھ میں ابو طالب کلیم جب دوسری مرتبہ ہندوستان آیا تو کچھ عرصہ تک اس کی مصاحبت میں رہا »۔
(« سرو آزاد » صفحہ ۴۸)

« مرزا ابراہیم بیگ ارتیمانی بھی عرصے تک اسکا ندیم بنا رہا »
(نشۂ عشق صفحہ ۳۰)

روح الامین کی شاعری

جہاں تک ہمیں علم ہے فارسی کے اس باکمال شاعر کی کوئی چیز ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے ۔ اسکی غزلوں کے دیوان « گلستان ناز »[1] اور خمسۂ نظامی کی طرز میں لکھی ہوئی پانچ مثنویوں کے قلمی نسخے مختلف ملکوں کے کتاب خانوں میں محفوظ ہیں ۔ اپنے دیوان کا دیباچہ بھی خود شاعر نے لکھا ہے جس میں ایک جگہ وہ رقم طراز ہے کہ:— . . . . . « این پنج ہزار بیت تمام غزل کہ موسوم شد بہ « گلستان ناز » اکثرش از نتائج بیان این عجمی زبان در عنفوان شباب و عہد صبا ست . . . . . اگر کوتاہی لفظی و درازی معنی بہ نظر در آید عفو کردہ منتظر باشند کہ دیوان ہائے غزل و قصیدہ و رباعی و ترجیع و ترکیب و سائر فنون . . . . . کہ فی الجملہ لیاقت این سلمان مکانان زمان و سحبان نیستان دوراں داشتہ باشد جلوہ گر خواہد ساخت »

۱ ۔ « گلستان ناز » کا ایک قدیم اور نفیس قلمی نسخہ (اور یہی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے) سالار جنگ لائبریری ، حیدر آباد کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے (ادب نظم فارسی ۳۴۸) بہ مطلا و مذہب نسخہ ۱۰۴۷ھ کا لکھا ہوا ہے ۔ [روح الامین کے انتقال کا بھی یہی سال ہے دیباچے کے ابتدائی دو صفحات غائب ہیں ۔ اوراق کی تعداد ۱۹۲ اور مسطر ۱۴ سطری ہے ۔ کاتب کے نام اور مقام کتابت کا اندراج نہیں ہے ۔

سالار جنگ لائبریری کے علاوہ « گلستان ناز » کے قلمی نسخے حسب ذیل کتاب خانوں میں بھی پائے جاتے ہیں ۔ برٹش میوزیم لائبریری (کیٹلاگ برٹش میوزیم صفحہ ۶۷۶ نمبر ۲۸۴) کتب خانہ ایشاٹک سوسائیٹی آف بنگال (نمبر ۷۳۶) کتاب خانہ مجلس شورائے ملی ، تہران (جلد ۳ نمبر ۹۸۸)

شمس اللہ قادری کے علاوہ فارسی کے کسی تذکرہ نگار نے « گلستان ناز » کے سنہ تدوین پر روشنی نہیں ڈالی ہے - عمادیہ صفحہ (۳۶) میں شمس اللہ قادری نے « گلستان ناز » کا سنہ تدوین ۱۰۲۰ ھ قرار دیا ہے لیکن خود صاحب دیوان کے اس اقرار کی روشنی میں کہ « گلستان ناز » کی غزلیں اسکے عنفوان شباب کے دور کی غزلیں ہیں اور پھر اس تاریخی حقیقت کے پیش نظر کہ روح الامین ایک شہرت یافتہ اور صاحب دیوان شاعر کی حیثیت سے حیدرآباد پہنچکر ۱۰۱۱ ھ میں قطب شاہی دربار سے وابستہ ہو چکا تھا ، شمس اللہ قادری کے بیان کو قبول نہیں کیا جاسکتا - یقیناً حیدر آباد آنے سے قبل ہی وہ اپنا دیوان مرتب کرچکا تھا - یہ دوسری بات ہے کہ وقتاً فوقتاً اس دیوان کی غزلوں میں اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ زیر بحث نسخے میں ہمیں ایک مختصر سا قصیدہ بھی ملتا ہے جو شاعر کے آخری دور کی تصنیف ہے -

روح الامین نے « گلستان ناز » کو کسی بادشاہ یا امیر کے نام نہیں بلکہ « ارباب فکر و ایمان اور سخنوران شیرین زبان » کے نام معنون کیا ہے - یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ قطب شاہی دربار سے وابستگی سے پہلے ہی « گلستان ناز » کی تدوین عمل میں آچکی تھی حیدر آباد کے دوران قیام میں اس نے جتنی مثنویاں لکھیں ان سب کو اپنے ممدوح محمد قلی قطب شاہ کے نام معنون کیا ہے -

« گلستان ناز » کے مطالعہ سے شاعر کی زندگی کے بارے میں کوئی خاص داخلی شہادت نہیں ملتی صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ اصفہان کا رہنے والا تھا اور عنفوان شباب میں اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر ہندوستان (حیدرآباد) پہنچا تھا - اور پھر کوئی بارہ تیرہ برس بعد حیدرآباد سے اپنے وطن لوٹنے کی جانب بھی بعض اشعار میں کچھ اشارے ملتے ہیں - اس قسم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

گشتہ روح الامین مجاور ہند ساکن خطۂ صفاہان است
اگر بودے صفاہان جائے عاشق چرا روح الامیں زاں جا بدر رفت

باز آمد ز ہند روح امین سرمۂ چشم اصفہاں آمد
شد است خاطر من شاد ازین کہ اصفاہاں ز یمن مقدم روح الامیں صفا دارد

روح الامین کی غزلیں عموماً پانچ تا سات اشعار پر مشتمل ہیں - « گلستان ناز » کے زیر نظر نسخے میں غزلوں کے علاوہ — جنہیں حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے — ردیف « ت » میں ایک قصیدہ بھی ملتا ہے - چودہ اشعار کا یہ مختصر سا قصیدہ کشمیر کی تعریف میں ہے - ظاہر ہے کہ « گلستان ناز » میں اس قصیدے کا اضافہ بھی بعد میں ہوا ہو گا - کسی تاریخ یا تذکرہ سے اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ روح الامین نے کشمیر کا سفر کیا تھا - ہو سکتا ہے کہ اپنے قیام دہلی کے دوران میں اسے سیاحت کشمیر کا موقع ملا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ شاعر نے محض اپنے زور تخیل سے کشمیر کی رعنائی و زیبائی کی تصویر کھینچی ہو - اس قصیدے کا پہلا شعر یہ ہے —

گل حدیقۂ جاں عکس خار کشمیر است بہشت گشتہ نہاں شرمسار کشمیر است

لیکن روح الامین قصیدے کا شاعر نہیں تھا ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصیدے کے فنی تقاضوں کی تکمیل اسکے بس سے باہر تھی - غالباً اسی لئے اس نے اپنے سب سے بڑے محسن اور سرپرست محمد قلی قطب شاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ بھی نہیں لکھا اور صرف اپنی مثنویوں کے تمہیدی حصوں میں اپنے ممدوح کو خراج عقیدت و محبت پیش کرنے پر اکتفا کیا -

وہ بنیادی طور پر غزل اور مثنوی کا شاعر تھا - اسکی زبان میں نرمی ، لطافت اور شیرینی پائی جاتی ہے غزل میں اسکا اسلوب نگارش غنائی ہے تو مثنوی میں اس کا قلم بیانیہ انداز کو معراج کمال پر پہنچا دیتا ہے - اسکی شاعری کے مطالعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فارسی ادبیات پر اسکی گہری نظر تھی - اس کی غزلوں کے اشعار میں سعدی کے شعر کی سادگی اور سلاست پائی جاتی ہے تو حافظ کے نغموں کی مستی و سرشاری ملتی ہے - گیارہویں صدی ہجری میں فارسی شاعری خصوصاً ہندوستان کی فارسی شاعری

میں جو تکلف اور تصنع پیدا ہو گیا تھا روح الامین کی شاعری اس سے بہت دور ہے ، اسکے اشعار میں معنی آفرینی ، نکتہ رسی اور فکر و خیال کی بلند پروازی ضرور پائی جاتی ہے لیکن لفظی مینا کاری اور آورد و تصنع سے اسکا کلام بڑی حد تک پاک ہے - اپنی غزلوں میں اس نے حسن و محبت کے رموز کو بڑے دل نشین پیرائے میں بیان کیا ہے - اسے اپنی محبت پر بھر پور اعتماد ہے - دیکھئے کس تیور سے کہتا ہے —

ہست روح الامین پیمبر عشـــق امت او شوید یا اصحاب

اپنی طبع سخن ساز پر روح الامین کو بلا کا ناز و پندار ہے جس کا اظہار وہ بار بار کرتا ہے - چند شعر ملاحظہ ہوں —

شود ز نظم تو روح الامیں سخن زندہ مگر زبان تو ہم مشرب مسیحا شد—
طریق تازہ ز روح الامیں فرا گیرند تمام دفتر او شرح ژند و پاژند است
تا کام ماز بادۂ گلرنگ گشتہ تلخ شیریں بسان شہد و شکر شد کلام ما
ز نطق من شدہ روح الامیں سراپا گوش خرد فریفتۂ طبع نکتہ دان من است

متزنم الفاظ اور نغمہ ریز زمین کا انتخاب اسکے ذوق سخن کی لطافت کا آئینہ دار ہے - اسکی ایک مسلسل غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جن کا آہنگ کسی طرح ، حافظ و خسرو کے آہنگ سخن سے کم نہیں —

بہ پیش مدعی ابرو بلند کرد و گذشت مرا در آتش غیرت سپند کرد و گذشت
اشارتے کہ میسر نمی شود و صلم ہلال ابروئے خود را بلند کرد و گذشت
علاج تلخی ہجراں از و طلب کردم حوالتم بہ لب نوش خند کرد و گذشت
فگندہ ناوک ناز بجانب دل من عنایتی کہ بود دلپسند کرد و گذشت
رساند برسرم از غمزہ اش سر تیغے مرا بہ ہرد وجہاں سر بلند کرد و گذشت

روح الامین کا شاعرانہ مسلک و مشرب دیر و حرم کے تعینات سے ماورا ہے - عشق

اس کا ملجا و ماوا ہے اور وادئی عشق کی رہ نوردی کرتا ہوا وہ اس منزل تک پہنچ جاتا ہے جہاں خود عشق کے پر جلنے لگتے ہیں -

روح الامیں بہ کفر و بہ اسلام کردہ پشت راہے گرفت پیش ، ندانیم راہ کیست
جز طریق عاشقی سوئے حقیقت راہ نیست کافرے گر عشق ورزد پیش من گمراہ نیست
آتشے گشت پدیدار ز عشقش در دہر گہ دل و جان ہمہ خلق بہ یک بار بسوخت
از اں جائے کہ منزل گاہ عشق است دل من چند گامے بیشتر رفت

فارسی شاعری کے لئے یہ مضامین کچھ نئے اور انوکھے مضامین نہیں ہیں - فرق صرف اتنا ہے کہ جن ارباب سخن نے احساس و وجدان کی گہرائیوں میں ڈوب کر بات کہی ہے ان کے کلام میں صداقت و تاثیر کی بجلیاں سی کوندتی نظر آتی ہیں اور جن شاعروں نے محض متقدمین کی خوشہ چینی اور روایت پرستی پر اپنی شاعری کی بنیاد رکھی ہے ان کے کلام میں نہ تو جذبۂ و احساس کی والہانہ کیفیت پائی جاتی ہے اور نہ اظہار بیان کی بے ساختگی اور بے اختیاری کا حسن ملتا ہے -

روح الامین کی شاعری خلوص ، سچائی اور درد مندی کی کیفیات سے معمور ہے - اس کا انداز بیان تصنع اور تکلف سے پاک ہے ، جسکی بدولت اسکے اشعار میں تاثیر کا جادو پیدا ہو گیا ہے -

سولھویں صدی عیسوی کے اس با کمال شاعر کا کلام چونکہ ابھی تک ارباب شعر و ادب کی نظروں سے اوجھل ہے اس لئے اسکے دیوان « گلستان ناز » کا ایک مختصر سا انتخاب یہاں پیش کیا جاتا ہے —

بہ سیر باغ بکف جام بادہ باید رفت چو گل بہ وقت سحر رو کشادہ باید رفت
کجاست شیشۂ مے تا پر از گلاب کنم کہ آفتاب عرقناک شد گل رویت

می کند باده کشاں را پس ازیں صاحب طرز　　طرز آر استن محفل دو شبنۂ ما
پر گل شداز نگاه تو جیب و کنار من　　در یوزه غنچه خنده کند از بهار من
انجم همگی دیدۂ خود گوش نماید　　حرفے اگر از حسن تو در انجمن افتد
گل رنگ وفا گیرد و مے بوئے محبت　　گر سایۂ آں سروسهی بر چمن افتد
پا به سرش مگر نهد دلبر مهر طلعتے　　بر سر ره فگند ام جان امیدوار را
آتشم را تیز تر کن آب را بر خاک ریز　　شعله مرهم می شود داغ دل پروانه را
داند یقیں که دیده نه بیند جمال او　　بسته بروئے خویش ز شوخی نقاب را
گوش کن گوش که این غنچه دہاں می گویند　　صدگره در دل سرو است ز رعنائی ما
روح الامیں به رقص درآئی چو گرد باد　　بینی اگر تو جلوۂ جانانۂ مرا

سر شکن ، دست شکن دلشکن وشیشه بسوز　　همه خوب است و لیکن مشکن ساغر ما
دست ماکوتاه دُستان طره اش خواهد گرفت　　گر کند قد بلندش همتے درکار ما
جانها بهائے یک نگه گرم داده ایم　　روح الامیں بس است در بن جاگواه ما
در رقص به بیں قامت آں سرو رواں را　　داری هوس دیدن اگر جلوۂ جاں را
از حیرت سرشار تماشائے تو ، غنچه　　وا کرده بجائے نظر خویش دهاں را
نهاد پا چو خیالت بدیده بو سیدم　　هوس به بعد فنا داد اعتبار مرا
دلم شکسته ، جگر خسته ، جاں شد افسرده　　به کبر عشق تو نازم که از دماغ نرفت
به سینه ناوک ناز تو نازنیں بنشست　　اگر نشست به صد غمزه دلنشیں بنشست
نه گویم انیکه چرا عارضت گداخت مرا　　گرفت و گیر به خورشید کار شبنم نیست
منم که گشته ام از سیر باغ و گل محروم　　شنیده ام که گلے بود بوستانے هست
کارم به سوز و گریه به ساماں نمی شود　　بس مشکل است کار من آساں نمی شود

دو شینه بکام دل شرابے　　خوردیم ز دست آفتابے
یک بوسه بکام دل بمن داد　　دریائے محیط شد سرابے

چوں قطرۂ عرق فتد از روئے آسماں　　خورشید اگر شود نفسے رو بروئے تو
فکرد گرکن اے نظر چوں نظرت بلند شد　　چشم وفا نمی کند دیدن روئے یار را
سرافرازی اگر خواهی چو زلفش بر زمیں سرنه　　که با افتادگی ها ربط دارد سرفراز یها
بیخ امید کنده ام بیم شده ز دل بروں　　هرزه مزن بگوش من حرف امید و بیم را
دور از لب تو تلخ چو زهر است کام ما　　دوراں فگنده زهر هلاهل بجام ما
از آب کشت عمر ابد سر نوشت خضر　　تقدیر شد به بادۂ صافی دوام ما
یار است ونقل و بارۂ صافی و باغ گل　　روح الامیں زمانه کنوں شد به کام ما
بالا فتاده خال ز ابروئے دلکشت　　هندو بخواب رفته و گم کرده راه را
شرمنده ام ز کاتب اعمال خویشتن　　تاکے کند کتابت جرم و گناه را

روح الامین کی مثنویاں

روح الامین نے اپنے قیام حیدآباد کے دوران میں بہ طرز خمسۂ نظامی ، ایک خمسہ لکھنا شروع کیا جس کی چار مثنویاں ، خسرو شیریں ، (شیریں خسرو) مطمح الانظار ، لیلی مجنوں اور آسمان ہشتم (ہفت پیکر)[1] چار سال میں یعنی ۱۰۱۷ھ اور ۱۰۲۰ھ کے درمیان مکمل کرلیں - حیدرآباد سے جانے کے بعد ممکن ہے اس نے پانچویں مثنوی لکھ کر خمسہ کی تکمیل کرلی ہو لیکن ۱۰۲۱ھ کے بعد سے ۱۰۴۷ھ تک تقریباً ۲۷ سال کے دوران میں روح الامین کی شعری تخلیقات کا کوئی پتہ نہیں چلتا -[2] ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنے مضمون میں روح الامین کی ایک مثنوی « جواہر الکلام » کا ذکر کیا ہے اور اُسے خمسہ کی پہلی مثنوی بتایا ہے -

---

۱ - روح الامین کی ان چار مثنویوں کے قلمی نسخے جن کتاب خانوں میں محفوظ ہیں انکی تفصیل یہ ہے -

(۱) خسرو شیریں - انڈیا آفس لائبریری نمبر (۱۵۳۹) - کتاب خانہ مجلس شورائے ملی تہران فہرست نمبر (۱۱۲۰)

(۲) مطمح الانظار مکتوبہ ۱۰۱۹ھ سالار جنگ لائبریری حیدرآباد شعبۂ مخطوطات فارسی نظم نمبر ۱۰۷ - انڈیا آفس لائبریری - اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد (دو نسخے) فہرست جلد دوم صفحہ ۴۲۱ نمبر ۵۴ اور ۱۰۴ - برٹش میوزیم فہرست جلد دوم

(۳) لیلی مجنوں — برٹش میوزیم جلد دوم صفحہ ۶۷۵ نمبر ۸۸ - ۲۴ انڈیا آفس لائبریری فہرست نمبر ۱۵۴۰

(۴) آسمان ہشتم مکتوبہ ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ ع) برٹش میوزیم جلد دوم صفحہ ۶۷۶ نمبر ۲۵۹۰۳ - بانکی پور لائبریری فہرست جلد سوم نمبر ۳۰۲

۲ - مضمون ڈاکٹر نذیر احمد - « سلاطین گولکنڈہ کی ادب نوازیوں کی چند زندہ یادگاریں » مطبوعۂ « نذر محمد قلی قطب شاہ »

لیکن صاحب موصوف کا یہ بیان کسی عنوان بھی قابل قبول نہیں - اول تو یہ کہ روح الامین نے « لیلی مجنوں » کے دیباچے میں غیر مبہم الفاظ میں لکھا ہے کہ خمسہ کی دو ابتدائی مثنویاں « مطمح الانظار » اور « خسرو شیریں » ہیں اور یہ اس سلسلے کی تیسری مثنوی ہے - اس کے بعد اس نے « آسمان ہشتم » کے نام سے چوتھی مثنوی لکھی « دوسرے یہ کہ اس نے اپنی چاروں مثنویوں کے آغاز میں طویل دیباچے لکھے ہیں - لیکن کسی دیباچے میں بھی « جواہر الکلام » نامی کسی مثنوی کا ذکر نہیں کیا ہے ڈاکٹر نذیر احمد نے روح الامین کی مثنوی خسرو شیریں کے جن اشعار سے یہ استناد پیش کیا ہے کہ اس نے خسرو شیریں سے پہلے « جواہر الکلام » کے نام سے ایک مثنوی لکھی جو خمسہ کی پہلی مثنوی ہے وہ اشعار یہ ہیں :—

جواہر نامۂ ایدوں کہ گفتم — درے از معدن الماس سفتم
نہ پنداری کہ کار سرسری شد — جہاں ہمچو دکان جوہری شد

ان اشعار کے معنی بہت صاف ہیں - ڈاکٹر نذیر احمد نے « جواہر نامہ » کے لفظ سے دھوکا کھایا ہے لیکن روح الامین نے « جواہر نامہ » کی ترکیب اسم کے طور پر استعمال نہیں کی ہے کہ اسے کسی کتاب یا نظم کا نام سمجھ لیا جائے بلکہ شاعر نے اس کا استعمال صفت کے طور پر کیا ہے اور وہ اپنی مثنوی « خسرو شیرین » کو ہی « جواہر نامہ » بتا رہا ہے - اور پھر شاعر نے « جواہر نامہ » کی ترکیب استعمال کی ہے - « جواہر الکلام » کا تو کہیں ذکر تک نہیں کیا ہے - ڈاکٹر نذیر احمد نے « جواہر الکلام » کے تعلق سے کوئی حوالہ بھی نہیں دیا ہے - بہت ممکن ہے کہ یہ روح الامین کی پانچویں مثنوی ہو اسکے علاوہ نہ تو کسی کتاب خانہ میں ہمارے علم کی حد تک اس کا کوئی نسخہ محفوظ ہے اور نہ کسی تذکرہ یا تاریخ میں اس کا ذکر ملتا ہے -

شیریں خسرو

زمانی ترتیب کے اعتبار سے اسکی پہلی مثنوی « شیریں خسرو » ہے - روح الامین نے ۱۰۱۷ھ میں اس مثنوی کا آغاز کیا - اور یکم ذی الحجہ سنہ ۱۰۱۸ھ میں اسکو اتمام تک پہنچایا یہ تاریخ اس نے « شیریں خسرو » کے ابتدائی اشعار میں جو مثنوی کی تکمیل کے بعد لکھے گئے ہوں گے ظاہر کردی ہے —

چو ہفدہ شد فزوں بر الف تاریخ درخت دولتم را سخت تر شد بیخ

چو شد سال دگر ذی الحجہ مہ نو سر آمد قصۂ شیرین و خسرو

شمس اللہ قادری نے عمادیہ صفحہ (۳۶) میں لکھا ہے کہ « خسرو شیریں ۱۰۱۶ھ میں تمام ہوئی» لیکن اوپر کے اشعار سے ظاہر ہے کہ یہ تاریخ صحیح نہیں ہے -

مطمح الانظار

روح الامین کی دوسری مثنوی « مطمح الانظار »[1] کا ایک قدیم و نفیس قلمی نسخہ، ہمارے پیش نظر ہے اس نسخہ کا سنہ کتابت ۱۰۱۹ھ ہے

۱ - « مطمح الانظار » مکتوبہ ۱۰۱۹ھ سالار جنگ لائبریری حیدرآباد مخطوطات فارسی ادب نظم نمبر ۱۰۷- ڈاکٹر نذیر احمد نے ' مطمح الانظار ' کے تعلق سے لکھا ہے — " افسوس کہ اس مثنوی کے کسی نسخے کا اب تک پتہ نہیں چل سکا - سالار جنگ لائبریری کی فہرست ابھی شائع نہیں ہوئی ہے لیکن ' مطمح الانظار ' کے قلمی نسخے انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کے کتاب خانوں کے علاوہ خود ہندوستان میں حیدرآباد کی آصفیہ لائبریری میں محفوظ ہیں - اور ان سب کتاب خانوں کی مطبوعہ فہرستیں ہماری دسترس سے باہر نہیں ہیں -

اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ ' مطمح الانظار ' کا یہ سب سے قدیم اور پہلا نسخہ ہے جو غالباً حیدرآباد ہی میں لکھا گیا ہے - ممکن ہے روح الامین نے خود اپنے لئے یہ نسخہ لکھوایا ہو - اس کے اوراق کی تعداد ۱۰۷ ہے روح الامین نے یہ مثنوی بھی محمد قلی قطب شاہ کے نام معنون کی ہے - مثنوی کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے —

بسم اللہ الرحمن الرحیم مطالع آیات کلام حکیم

فاتح گنج سخن آمد نخست ہر چہ نہ با او نباشد درست

پھر حمد و نعت اور منقبت اور سبب نظم کتاب کے بعد محمد قلی قطب شاہ کی مدح شروع ہوتی ہے —

شاہ فلک مرتبۂ ارجمند رشک فزائندہ چرخ بلند

شاہ سکندر دل و دارا سپاہ نور دہ دیدۂ دل قطب شاہ

بخیہ گر چاک دل از ردہا گرم کن سینۂ افسردہا

اس کے بعد « مدح بہ عنوان خطاب » کے تحت بادشاہ کی تعریف میں کچھ اور اشعار ہیں جو اسطرح شروع ہوتے ہیں —

صید جہاں کن کہ جہاں آن تست ساغر مے نوش کہ دوران تست

دست بدامان ثریا ز نم خیمۂ مدح تو آنجا ز نم

از لب خویشتم شنوآں یک سلام تا بفر ستم بہ نظامی پیام

بعد ازاں مختلف عنوانات جیسے « در فضیلت سخن و چگونگی احوال آں » اور « علو مرتبت سخن و نمودن جلال و جبروت آں » کے تحت سینکڑوں اشعار ملتے ہیں - اور پھر ورق ۴۸ ب سے اصل مثنوی کا آغاز ہوتا ہے جسے شاعر نے ۲۰ مقالوں میں تقسیم کیا ہے اور آخر میں ' خاتمۂ کتاب ' کے عنوان سے ایک اور باب ہے اور اسی حصے میں روح الامین نے اس مثنوی کی تاریخ اختتام بتائی ہے - اور یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ اس نے صرف ۴۰ دن کے اندر

اس مثنوی کو لکھہ ڈالا - یعنی ۲۶ - ربیع الاول ۱۰۱۹ھ کو جبکہ موسم بہار کا آخری زمانہ تھا - دن کے ۲ بجے اس نے یہ مثنوی پایۂ تکمیل کو پہنچائی - کہتا ہے —

اولوئے شہوار بیاں بہ سفت　　مطمح الانظار بیک چلہ گفت
بود گذشتہ ز ربیع نخست　　بست شش و روز دو ساعت درست
یک دو نفس ماندہ ز فصل بہار　　نوز دہ افزوں شدہ بد بر ہزار
شکر خدا ازین شکرستان من　　گشت پر از قند سراسر دہن

روح الامین کی یہ مثنوی (۲۲۲۵) اشعار پر مشتمل ہے - چالیس (۴۰) دن کی مختصر سی مدت میں تقریباً ڈھائی ہزار ابیات پر مشتمل ایک طویل نظم کی تخلیق شاعر کی قادر الکلامی کا کھلا ثبوت ہے خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ اس کا مصنف ایک بڑی سلطنت کا وزیر اعلی بھی تھا جسے مملکت کے نظم و نسق کی انجام دہی کے لئے بھی اپنے وقت کا بہت بڑا حصہ صرف کرنا پڑتا تھا - ان امور کے پیش نظر روح الامین کی زبردست شاعرانہ صلاحیت اور زبان و بیان پر اسکی بے مثال قدرت کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں - اس کا اسلوب بیان نہایت دلکش اور پر اثر ہے - دقیق سے دقیق مضامین و مطالب کو وہ بڑی روانی اور بے تکلفی کے ساتھہ صاف و شستہ زبان میں ادا کرتا چلا جاتا ہے -

لیلی مجنوں

روح الامین کی تیسری مثنوی «لیلی مجنوں» ہے - اس کے دیباچے میں وہ لکھتا ہے "اس سے قبل میں اپنے خمسہ کی دو مثنویاں «شیریں خسرو» اور «مطمح الانظار» لکھہ چکا ہوں - یہ مثنوی اس سلسلے کی تیسری کڑی ہے"

«لیلی مجنوں» کے آغاز میں نظامی گنجوی کے ساتھہ وہ اپنی بے پایاں عقیدت کا اظہار کرتا ہے اور اسے سر آمد سخنوران بتاتا ہے اور پھر نظامی کی زبان سے اپنی تعریف کرواتا ہے، اپنے زمانے سے پہلے کے شاعروں میں وہ جامی، ہاتفی، اور مکتبی کا نام لیتا ہے - اور اپنے ہمعصر مثنوی نگاروں میں اہلی شیرازی کا ذکر کرتا ہے اور ان سب کو اپنے سے کمتر درجہ کا شاعر بتاتا ہے اور نظامی کے تتبع میں مثنوی نگاری کو اپنے لئے باعث فخر گردانتا ہے - یہ مثنوی بھی محمد قلی قطب شاہ کے نام معنون کی ہے - اس کا پہلا شعر یہ ہے —

اے حسن طراز عشق پرواز　　انجام نمائے کار ز آغاز

«لیلی مجنوں» کے زمانۂ تصنیف کا ٹھیک ٹھیک تعین نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ امر یقینی ہے کہ روح الامین نے یہ مثنوی ۲۶ - ربیع الاول سنہ ۱۰۱۹ھ کے بعد کسی وقت لکھنا شروع کی ہوگی ۲۶ - ربیع الاول سنہ ۱۰۱۹ھ سے قبل وہ «مطمح الانظار» لکھنے میں مصروف تھا - شمس اللہ قادری نے (حمادیہ صفحہ ۳۶) «لیلی مجنوں» کو روح الامین کی دوسری مثنوی قرار دیا ہے حالانکہ یہ اس کی خمسہ کی تیسری مثنوی ہے اس کے علاوہ اس کا سنہ تالیف ۱۰۱۷ بتایا ہے جو اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس نے مطمح الانظار کے بعد یہ مثنوی لکھی اور خود مطمح الانظار اس نے ۱۰۱۹ھ میں لکھی تھی -

آسمان ہشتم

«آسمان ہشتم» روح الامین کے خمسہ کی چوتھی مثنوی ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچی تھی کہ محمد قلی قطب شاہ کا انتقال ہوگیا - اس مثنوی کے دیباچے کا بہت بڑا حصہ محمد قلی قطب شاہ کی مدح و توصیف میں ہے لیکن آخری حصہ میں محمد قلی کے جانشین محمد قطب شاہ کی تعریف کی گئی ہے اور اسی کے نام مثنوی کو معنون بھی کیا گیا ہے - اس مثنوی کو روح الامین نے ۱۰۲۱ھ کے اوائل میں مکمل کیا - وہ لکھتا ہے کہ —

در سنہ کاف الف فزوں ز ہزار　　گشتہ کامل چو چرخ این گلزار

اس مثنوی کے دیباچے میں حمد، نعت و منقبت اور محمد قلی قطب شاہ کی مدح و توصیف کے بعد روح الامین نے اپنے فرزند دلبند کو مخاطب کرتے ہوئے چند قیمتی نصیحتیں کی ہیں - اس سے یہ امر منکشف ہوتا ہے کہ روح الامین متاہل زندگی بسر کرتا تھا اور کم از کم ایک بیٹے کا باپ ضرور تھا اس مثنوی کے سرنامہ پر « فلک البروج » کا نام ملتا ہے لیکن خود شاعر نے اس کا نام « آسمان ہشتم » تجویز کیا تھا - جس کا ثبوت اس شعر سے ملتا ہے—

شد چو این کاخ سربلند تمام　　کرد مش آسمان ہشتم نام

حیدرآباد کے دوران قیام یہ اس کا آخری ادبی کارنامہ ہے جو دستیاب ہوتا ہے خمسہ کی پانچویں مثنوی کب اور کہاں لکھی گئی اور اس کا نام کیا ہے ؟ اسکے بارے میں کوشش بسیار کے باوجود ہمیں کوئی علم نہیں ہوسکا -

حسین بن علی الفرسی

محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں فارسی کے ایک باکمال لیکن غیر معروف شاعر نے ۲۰ ہزار ابیات پر مشتمل قطب شاہی سلاطین کی منظوم تاریخ قلمبند کی - مصنف نے اپنی اس نظم میں جو فردوسی کے شاہنامہ کی زمین میں لکھی گئی ہے کئی جگہ اپنا تخلص فرسی ظاہر کیا ہے سالار جنگ لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں اس منظوم تاریخ کا ایک حصہ محفوظ ہے [1] جس میں « در شرح احوال خویش و حسن خواہش از ممدوح » کے زیر عنوان یہ اشعار ملتے ہیں—

ستم دیدہ فرسی بہ روشن دلی　　بود مادح مصطفی و علی
کہ این نامہ بر نام شہ گفتمے　　گہر ہائے ناسفتہ را سفتمے
نسب نامہ را گر زما بشنوی　　بدانی سخن کردن پہلوی

ان اشعار سے نہ صرف شاعر کے تخلص کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرسی نے اپنی اس مثنوی کا نام « نسب نامہ » تجویز کیا تھا اور اس بات کا اشارہ بھی ملتا ہے کہ اس نظم کا مصنف کوئی معمولی شاعر نہیں تھا بلکہ فارسی کا ایک بلند مرتبت اور نغز گفتار شاعر تھا جس نے محمد قلی قطب شاہ کی فرمائش پر سلاطین قطب شاہیہ کی تاریخ کو منظوم کیا - اپنے ممدوح محمد قلی قطب شاہ کا ذکر وہ اس طرح کرتا ہے—

محمد قلی قطب شاہ ولی　　بود شیعہ شاہ مردان علی
چو مہر علی در دلش کردہ جائے　　کفش گشتہ دریائے بخشش فزائے

۱ - « واقعات قلی قطب شاہ » کے نام سے سالار جنگ لائبریری کے شعبۂ مخطوطات فارسی میں ، ادب نظم فارسی ، کے تحت نمبر ۱۰۱۱ پر فرسی کی مثنوی « نسب نامہ » کا ایک نسخہ محفوظ ہے - یہ نسخہ ناقص الطرفین ہے اور غالباً پوری مثنوی کا ایک حصہ ہے

اسکے بعد کندھیر[1] کے معرکۂ کارزار کی داستان بیان کی گئی ہے —

سر آئندہ موبد کہ این نامہ داشت　　بدین گونہ ورد لب خامہ داشت
کہ چوں شاہ جمجاہ فیروز جنگ　　شکست آں سپاہ لب آب گنگ

---

۱ - « تاریخ سلطان محمد قطب شاہی » (ورق ۲۱۲ الف تا ۲۱۴ ب) میں قلعہ کندھیر کی جنگ کا تفصیلی احوال ہے - یہ جنگ ابراہیم قطب شاہ کے زمانے میں ہوئی تھی ابراہیم قطب شاہ نے سیادت پناہ میر عماد الدین محمود شیرازی المخاطب بہ ملک حیدر الملک کی سرکردگی میں ولایت کندھیر کی تسخیر کے لئے فوج روانہ کی تھی - یہ علاقہ قطب شاہی سلطنت کا ایک باجگذار علاقہ تھا - جمشید قلی کے زمانے میں یہاں کا حاکم سالانہ دو لاکھ روپے قطب شاہی سلطنت کو بطور خراج ادا کرتا تھا لیکن ابراہیم قطب شاہ کے زمانے میں(۹۷۹ھ) حاکم کندھیر نے بغاوت کردی اور دریائے کرشنا کو پار کرکے کوند پلی اور مضافات پر قبضہ جما لیا - ابراہیم کی فوجوں نے آگے بڑھ کر کندھیر کا محاصرہ کرلیا لیکن کچھ ہی دنوں بعد بادشاہ کے حکم سے کندھیر کا محاصرہ اُٹھا لیا گیا کیونکہ حیدر الملک کو اس سے زیادہ اہم فوجی مہمات سر کرنے کے لئے واپس طلب کرلیا گیا تھا - ان مہمات سے فارغ ہوکر حیدر الملک نے پھر کندھیر پر یلغار کردی ، کندھیر کا قلعہ تلنگانہ میں سب سے مضبوط قلعہ سمجھا جاتا تھا اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا اس لئے بہت دنوں تک اُسے فتح نہ کیا جا سکا - ابراہیم نے ۹۸۷ھ میں رکن السلطنت شاہ تقی کو جو میر شاہ میر کے نام سے معروف ہیں اس قلعہ کی تسخیر کے لئے روانہ کیا اور متعدد خونریز لڑائیوں کے بعد ماہ صفر ۹۸۷ھ میں یعنی ابراہیم قلی قطب شاہ کے انتقال سے صرف ایک سال قبل اس قلعہ پر قطب شاہی افواج کا قبضہ ہوگیا اور پھر کچھ مدت بعد بیجا نگر کی سرحد تک پھیلے ہوئے کندھیر کے تمام قلعے اور شہر مع چند بڑی بندرگاہوں کے قطب شاہی سلطنت کے زیرنگین آگئے فرسی نے جنوبی ہند کے انہیں معرکوں کو منظوم کیا ہے - آب گنگ سے مراد آب کرشنا ہے - جنوبی ہند میں دریائے کرشنا کی بعض شاخوں کو « گنگا » کے نام سے پکارا جاتا ہے -

« نسب نامہ » کا ایک مکمل نسخہ « تواریخ قطب شاہ » کے نام سے انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے[1] - جسکے فہرست نگار نے اس کتاب کے بارے میں بہت اہم اور مفید معلومات فراہم کی ہیں - لکھتا ہے کہ :— « قطب شاہی بادشاہوں کے حالات اور ان کی جنگی مہمات کے بارے میں یہ نظم محمد قلی قطب شاہ کی فرمائش پر لکھی گئی اور اُسی کے نام معنون کی گئی - اس نظم کے مصنف نے اپنا نام پوشیدہ رکھا ہے - وہ دس سال تک اس نظم کی تصنیف میں مصروف رہا (جس کا ذکر اس نے خود کیا ہے) یہ نظم چار مقصد (ابواب) پر مشتمل ہے جنکے عنوانات یہ ہیں (۱) آغاز نسب نامہ قطب شاہی و پیدائش ملک سلطان قلی قطب شاہ (۲) در ذکر سلطنت ملک سلطان قطب شاہ (۳) در ذکر سلطنت ابراہیم قطب شاہ (٤) در ذکر سلطنت محمد قلی قطب شاہ - مثنوی کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے

نخستین چو آمد بگفتن خرد　　بہ توحید یزداں سخن بشمرد

اس مثنوی کا ایک اور قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال کے کتب خانے میں پایا جاتا ہے[2] -

---

۱ - « تواریخ قطب شاہ » انڈیا آفس لائبریری فہرست نمبر ۱٤۸٦ سائز ۱۰ × ۱۵½ مسطر چار کالمی

۲ - « نسب نامہ » کتب خانہ ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال فہرست نمبر ٦۹۰ - فہرست نگار نے اسے « نسب نامہ قطب شاہی » کا نام دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ قطب شاہوں کی منظوم تاریخ ہے جو محمد قلی بن ابراہیم (۹۸۹ھ - ۱۰۲۰ھ) کے عہد حکومت کے ابتدائی زمانے کے واقعات پر پوری ہوجاتی ہے - پوری نظم میں محمد قلی قطب شاہ کی جگہ جگہ بے انتہا تعریف کی گئی ہے - مصنف نے اپنا تخلص فرسی ظاہر کیا ہے - یہ مثنوی ۲۰ ہزار ابیات پر مشتمل ہے -

اس مثنوی کے متعلق سب سے زیادہ معلومات آفرین مواد ڈاکٹر اے - اسپرنگر نے اپنی فہرست مخطوطات کی جلد اول (صفحہ ۴۰۹) میں پیش کیا ہے - اسپرنگر نے اپنی معلومات کے ماخذوں پر روشنی نہیں ڈالی ہے، غالباً اُنہوں نے اپنے پیش نظر مضمون کے لئے داخلی شہادتیں حاصل کی ہونگی -

ڈاکٹر اسپرنگر نے فرسی کا نام حسین بن علی بتایا ہے - اور لکھا ہے کہ « حسین بن علی الفرسی محمد قلی قطب شاہ کا درباری مؤرخ ہے - اُس نے سلاطین قطب شاہیہ کی منظوم تاریخ لکھی ہے « نسب نامہ قطب شاہی » اس کا نام ہے - اس میں اٹھارہ ہزار چھ سو ابیات ہیں - یہ کتاب ۱۰۱۶ھ میں پایۂ اتمام کو پہنچی - اسکے مضامین چار مقالوں پر مشتمل ہیں مقالۂ اول میں خاندان قطب شاہی کی حقیقت اور بانی خاندان کے اسلاف کا تذکرہ ہے - یہ مقالہ اس بیت سے شروع ہوتا ہے —

نخست اے خرد مند دانش فزائے زباں را بنام خدا بر کشائے

مقالۂ دوم :— اس میں سلطنت بہمنیہ کے زوال اور سلطنت قطب شاہی کے بانی سلطان قلی بڑھے ملک کے ظہور اور عروج و اقبال کا تذکرہ ہے -

پہلا مصرع :— بیا اے نیو شندۂ ما خرد

مقالۂ سوم :— اس میں سلطان قلی قطب شاہ کے بعد سے ابراہیم قطب شاہ کے انتقال تک کے حالات بیان کئے گئے ہیں -

مقالۂ چہارم :— اس میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کے حالات، تخت نشینی کے وقت سے عادل شاہ ثانی سے جنگ کے زمانے تک کے (یہ جنگ نلدرگ میں ہوئی تھی) واقعات بیان کئے گئے ہیں اور آخر میں بعض امرائے سلطنت مثلاً سید شاہ میر اصفہانی، وزیر علی آقا بن حسین بیگ ترکمان وغیرہ کا تذکرہ ہے - یہ مقالہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے —

چو زیں خامہ بر رفتہ شد خامہ ام ز نو یافت زیب دگر نامہ ام

متذکرہ معلومات کی روشنی میں ان امور کا تعین کیا جا سکتا ہے کہ :—

فرسی تخلص کے ایک قادر الکلام اور نغز گفتار شاعر نے جس کا نام حسین بن علی تھا محمد قلی قطب شاہ کے دور میں قطب شاہی سلطنت کی تاریخ کو منظوم کرنے کا بیڑہ اُٹھایا اور شاہنامۂ فردوسی کے تتبع میں قطب شاہی سلاطین کا شاہنامہ لکھنا شروع کیا اور اُسے چار حصوں میں تقسیم کیا - فرسی نے اپنی اس مثنوی کو اپنے ممدوح و سرپرست محمد قلی قطب شاہ کے نام معنون کیا دس سال تک وہ اس نظم کی تخلیق میں مصروف رہا اور تقریباً ۲۰ ہزار اشعار لکھے یہ مثنوی محمد قلی قطب شاہ کے ابتدائی دور کے واقعات پر تمام ہوجاتی ہے جسکی وجہ سے یہ قیاس قائم کیا جاسکتا ہیکہ فرسی کی زندگی نے وفا نہیں کی اور وہ اپنے اس کام کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہونچا سکا - مصنف نے اپنی منظوم تاریخ کا نام «نسب نامہ» یا «نسب نامۂ قطب شاہی» تجویز کیا - ان چند امور کے علاوہ نہ تو اس مثنوی کے مطالعہ سے اور نہ معاصرانہ تواریخ اور تذکروں سے فرسی یا اسکی معرکۃ الآرا تصنیف « نسب نامہ » کے بارے میں ایسی معلومات فراہم ہوتی ہیں جن کی روشنی میں شاعر کے حالات زندگی اور قطب شاہی سلطنت سے اُسکی وابستگی کا مفصل احوال معلوم ہوسکے - فارسی شعرا کے تذکروں میں صرف « ریاض الشعرا » ایک ایسا تذکرہ ہے جس میں فرسی تخلص کے ایک شاعر کا ذکر کیا گیا ہے لیکن « ریاض الشعرا » [1] کے مؤلف نے نہ تو فرسی کے حالات زندگی پر کوئی روشنی ڈالی ہے اور نہ اسکی کسی تصنیف کا حوالہ دیا ہے صرف اس کے تخلص کے ساتھ چند اشعار درج کردئیے ہیں -

فرسی کے « نسب نامہ » کا جو حصہ ہمارے پیش نظر ہے (سالار جنگ لائبریری کا نسخہ) اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ زبان و بیان پر اسے بلا کی قدرت حاصل تھی وہ ہر مضمون اور ہر واقعہ کو بڑی روانی کے ساتھ نظم کرتا چلا جاتا ہے اگر فرسی کا یہ ادبی تاریخی شاہکار

---

۱ - ریاض الشعرا صفحہ ۳۰۳

تمام و کمال زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آجائے تو یقین ہے کہ قطب شاہی تاریخ کے بہت سے ایسے گوشے ہمارے سامنے آجائیں گے جو، اب تک مؤرخین کی نظروں سے اوجھل ہیں۔

جہاں تک ہمیں علم ہے سید علی اصغر بلگرامی کے علاوہ فرسی کے نسب نامہ پر اب تک کسی نے قلم نہیں اُٹھایا ہے۔ سید علی اصغر بلگرامی نے « حدیقۃ السلاطین » کے دیباچے میں اس نظم کا ذکر کیا ہے۔[1]

لیکن وہ اس کے مصنف کا نام ہیرا لعل خوشدل بتاتے ہیں لکھتے ہیں کہ « ہیرا لعل المتخلص بہ خوشدل منشی حیدر قلی پسر سلطان قلی قطب شاہ اول بود؛ احوال قطب شاہیہ را بہ نظم آوردہ و منظومۂ او مشتمل بر چہار مقالہ است » صاحب موصوف کے اس بیان کا ماخذ غالباً ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال کے کتاب خانہ کی وہ فہرست ہے جس میں کتاب خانۂ مذکور میں محفوظ نسب نامہ کے ایک نسخے کے بارے میں فہرست نگار نے لکھا ہے کہ :—

« یہ نظم اسی مضمون کی ایک اور نظم ہے جس کا ایک نسخہ اسی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ لیکن زیر نظر نظم اسکے مقابلے میں صرف آدھی ہے۔ ممکن ہے یہ اسی نظم کا خلاصہ ہو لیکن اس نسخے پر کتاب کا نام « تواریخ قطب شاہ » مرقوم ہے اور اسکے مصنف کا نام ہیرا لعل خوشدل بتایا گیا ہے جو حیدر قلی خاں کا منشی تھا » لیکن فہرست نگار نے اس نسخے کو پہلے نسخے سے ملاکر دیکھنے اور نتیجے پر پہنچنے کی زحمت گوارا نہیں فرماتی ہے اور نسخے پر مرقوم ایک مشتبہ عبارت کو من و عن نقل کردیا ہے۔ مخطوطات کے سر ورق یا آخری صفحہ پر اس قسم کے مشکوک اور اکثر صورتوں میں غلط اور بے سروپا اندراجات کردئے جاتے ہیں جنہیں کسی چھان

۱۔ حدیقۃ السلاطین حصہ اول۔ مرتب سید علی اصغر بلگرامی۔ سالار جنگ لائبریری فہرست مطبوعات تاریخ فارسی ۳/۹

بین کے بغیر قبول کرلینا ایک بیحد غیر ذمہ دارانہ اور غیر علمی بات سمجھی جاتی ہے۔ « نسب نامہ » کو ہیرا لعل خوشدل کی تصنیف بتانا بھی اسی قسم کی ایک فاش غلطی ہے اور تعجب تو یہ ہے کہ سید علی اصغر بلگرامی جیسے مؤرخ اور محقق نے بھی کسی رد و قدح کے بغیر ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتاب خانے کی فہرست کے متعلقہ مندرجات کو تسلیم کرلیا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ فرسی اوراسکی شاندار تصنیف « نسب نامہ » کے تعلق سے ایک مفصل تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا جائے۔ چونکہ زیر نظر مقالہ قطب شاہی دور کے فارسی ادیبوں اور شاعروں کے ایک اجمالی تذکرہ کی نوعیت رکھتا ہے اس لئے فرسی کے باب میں ہم اوپر دئے ہوئے اشاروں پر اکتفا کرتے ہیں۔

میر محمد مومن

محمد قلی قطب شاہ کے پیشوائے سلطنت میر محمد مومن کا شمار اپنے وقت کے جید عالموں میں ہوتا ہے ، وہ استرآباد (ایران) کے مشاہیر سادات سے تھے ، ان کے ابتدائی حالات پردۂ تاریکی میں ہیں ۔ انکے والد سید علی شرف الدین سما کی بھی بہت بڑے عالم اور ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے ۔ ان کی والدہ ایران کے ایک نامور فاضل امیر فخر الدین سما کی کی بہن تھیں ۔ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد میر محمد مومن شاہ طہماسپ کے زمرۂ ملازمین میں شامل ہوگئے ۔ بادشاہ نے ان کو شہزادۂ حیدر مرزا کا اتالیق مقرر کیا ۔ کئی سال تک وہ اس خدمت کو انجام دیتے رہے ۔[1] محرم ۹۸۹ھ میں مقامات مقدسہ کی زیارت اور حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے اور حج و زیارت اور اعتکاف حرمین شریفین سے فارغ ہونے کے بعد عازم ہند ہوئے اور ۹۹۰ھ میں گولکنڈہ پہنچے ۔ اس وقت قطب شاہی سلطنت کے تخت پر محمد قلی قطب شاہ متمکن تھا ۔ میر صاحب گولکنڈہ پہنچکر علمی و ادبی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے اور اپنی فضیلت علمی کی بدولت بہت جلد شہرت و مقبولیت حاصل کرلی ۔ گولکنڈہ کا نوجوان اور علم دوست بادشاہ بھی انکی طرف متوجہ ہوا اور اُمور سلطنت میں ان سے مشورہ لینے لگا ۔ رفتہ رفتہ وہ ان کا اتنا معتقد اور دلدادہ ہوگیا کہ سلطنت قطب شاہی کی پیشوائی کا عہدۂ جلیہ اُنکے تفویض کردیا ۔ محمد قلی قطب شاہ کے بعد سلطان محمد کے

۱ ۔ شاہ طہماسپ کی وفات کے ایک روز بعد شہزادۂ حیدر مرزا نے وفات پائی اور شاہ اسمعیل ثانی برسر حکومت آیا تو میرمحمد مومن نے ترک وطن کا تہیہ کرلیا اوو بالآخر ۹۸۹ھ میں اُنہوں نے ہمیشہ کے لئے ایران کو خدا حافظ کہہ دیا ۔

زمانے میں وہ اسی عہدہ پر فائز رہے بلکہ سلطان محمد کے دور میں امور سلطنت میں ان کا عمل دخل اور بڑھ گیا ۔

ورود گولکنڈہ کے وقت میر محمد مومن کی عمر تیس اکتیس سال سے زیادہ نہیں تھی ۔ اُنہوں نے اپنی زندگی کے تقریباً ۴۴ سال قطب شاہی سلطنت کی علمی ، تہذیبی اور ادبی خدمت میں بسر کئے اور سلطان محمد قطب شاہ کے انتقال سے کوئی ایکسال قبل ۷۵ برس کی عمر میں ۱۰۳۴ھ[1] میں وفات پائی اور اپنے تعمیر کروائے ہوئے دائرے میں جو « دائرہ میر مومن » کے نام سے مشہور ہے پیوند خاک ہوئے ۔

گولکنڈہ کی مذہبی ، سیاسی ، سماجی ، تہذیبی ، علمی اور ادبی تاریخ کا دامن میر محمد مومن کی بیش قیمت اور بے پایاں خدمات سے معمور ہے ۔ تقریباً نصف صدی تک اُن کی شخصیت گولکنڈہ (حیدرآباد) کی سب سے بڑی اور با اثر شخصیت بنی رہی ۔ محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں ریاست کی داخلی اور خارجی پالیسی کی تشکیل و تعمیر انہیں کی مرہون منت رہی اور پھر سلطان محمد قطب شاہ کے دور اقتدار میں تو اُن کا اثر و نفوذ اتنا بڑھ گیا کہ وہ سلطنت کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے ۔ قطب شاہی سلطنت کا پایۂ تخت حیدرآباد اُنہیں کے مرتب کردہ خاکے اور منصوبے کے تحت تعمیر کیا گیا ۔ سلطان محمد کی شادی اور جانشینی میں اُنہیں کی مساعی کارفرما رہیں اور بارآور ہوئیں ۔ ایران کے صفویہ سلطنت سے قطب شاہی سلطنت کے دوستانہ اور سفارتی تعلقات کا قیام و استحکام انہیں کی فکر و تدبیر کا نتیجہ تھا ۔ قطب شاہی سلطنت کے طول و عرض خصوصاً سلطنت کے نئے پایۂ تخت حیدرآباد میں علم و حکمت کی ترقی اور ارباب فضل و ہنر کی قدردانی اور سرپرستی میں میر محمد مومن کی خدمات کو تاریخ کبھی

۱ ۔ « مآثر قطب شاہی » اور « عمادیہ » صفحہ (۳) میں میر محمد مومن کی تاریخ وفات ۱۰۳۲ھ لکھی گئی ہے جو صحیح نہیں ہے ،

فراموش نہ کرسکے گی ۔ اُن کا عہد ، سلطنت قطب شاہیہ کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت ترقی و سر بلندی کا ایک سنہرا عہد تھا ۔

میر محمد مومن کی حیات اور اُنکے کارناموں پر ڈاکٹر زور نے ایک جامع اور مبسوط کتاب لکھی ہے[1] اس لئے یہاں ہم صرف اُنکی ادبی خدمات اور اُن کی شاعری کا ذکر کریں گے ۔ میر صاحب نے فارسی اور عربی نثر میں بھی کئی علمی کتب و رسائل[2] اپنی یادگار چھوڑے ہیں لیکن یہ موضوع بھی زیر نظر مقالے کے عنوان سے غیر متعلق ہے ۔

---

۱ ۔ «میر محمد مومن ــ حیات اور کارنامے» مؤلفہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور ۔

۲ ۔ میر محمد مومن نے سلطان محمد قطب شاہ کی فرمائش پر ایک کتاب فارسی نثر میں لکھی جس کا نام مقداریہ ہے اس رسالے میں شرعی اور طبی امور کے متعلق بحث کی گئی ہے اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد میں محفوظ ہے (فن مجامع ۸/۳۱) ڈاکٹر زور نے میر محمد مومن پر اپنی تالیف میں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے ۔

میر محمد مومن نے علم عروض پر بھی « رسالہ فی العروض » کے نام سے ایک رسالہ قلمبند کیا ، جس کے بارے میں « عالم آرائے عباسی » کے مصنف نے لکھا ہے کہ « اس سے بہتر رسالہ فن عروض میں تصنیف نہیں ہوا » (مآثر قطب شاہی ۔ عمادیہ صفحہ ۳۲)

میر محمد مومن کی شاعری

میر محمد مومن فارسی کے ایک خوشگو اور نغز گفتار شاعر کی حیثیت سے اپنی زندگی میں بہت مشہور تھے لیکن امتداد زمانہ نے اُن کے فارسی کلام کو ناپید کردیا ہے ۔ ہماری کاوش و تحقیق کے بموجب میر صاحب کے فارسی دیوان کا صرف ایک مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے ۔[1] اس کے علاوہ اُن کی شاعری کا کچھ انتخاب قطب شاہی تواریخ اور تذکروں میں مل جاتا ہے ۔ میر صاحب نے خود اپنا دیوان مدون کیا تھا ۔ صاحب « حدائق السلاطین » کا بیان ہے کہ حضرت میر بے عدیل و نظیر « قصائد و غزلیات خوب و رباعیات مرغوب نظم می نمود و دیوانے دارد مملو از اشعار بلاغت شعار » ممکن ہے کہ حدائق السلاطین کے مؤلف کی نظر سے میر صاحب کا مدون کیا ہوا دیوان گذرا ہو اور اسی دیوان سے اُس نے اپنے تذکرہ کے لئے میر صاحب کے کلام کا انتخاب کیا ہو ۔ « ماہنامہ » کے مؤلف غلام حسین خاں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے

---

۱ ۔ دیوان میر محمد مومن :ــ انڈیا آفس لائبریری فہرست نمبر (۱۵۳۰) مکتوبہ ۲۲ ۔ جمادی الاول سنہ ۱۱۴۳ھ م (۱۷۳۰ع) اوراق ۱۷۵ سائز ۷/۸ × ۴½ اس دیوان کی ابتدا غزلوں سے ہوتی ہے ۔ غزلوں کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے ۔ غزلیات کا حصہ ورق ۱۳۰ پر ختم ہوجاتا ہے ۔ ورق ۱۳۱ ب سے مرثئے شروع ہوتے ہیں ۔ پہلے مرثیہ کا پہلا شعر یہ ہے :ــ

ماہ عاشورہ بصد شورش افغاں آمد　　باز دریائے بلا بر سر طوفاں آمد

مومن کا یہ مرثیہ « حدائق السلاطین » اور بعض دوسرے تذکروں میں بھی ملتا ہے ورق ۱۳۹ ب سے قصیدہ کا آغاز ہوتا ہے ۔ دیوان کے آخر میں چند رباعیاں بھی شامل ہیں ۔ مومن کی غزلوں کی تعداد دوسری اصناف سخن کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے ۔ دیوان کے ۱۷۵ اوراق میں سے ۱۳۰ اوراق پر غزلیں ہیں اور صرف ۴۵ اوراق پر مرثئے ، قصیدے اور رباعیاں مرقوم ہیں ۔

زمانے تک میر محمد مومن کے دیوان کا کم از کم ایک نسخہ حیدرآباد میں موجود تھا جو صاحب « ماہنامہ » کی نظر سے گذرا تھا ۔ غلام حسین خاں « ماہنامہ » میں لکھتے ہیں کہ « دیوانش بہ خط خوش نویس خاں قطب شاہی بہ نظر خاطر این حروف رسیدہ » اس بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ غلام حسین کے پیش نظر جو دیوان تھا ۔ وہ قطب شاہی دور کا لکھا ہوا تھا ، اس لحاظ سے انڈیا آفس لائبریری کا نسخہ جس کا سنہ کتابت ۱۱۴۳ھ (۱۷۳۰ع) ہے ۔ ممکن ہے اس کے کاتب نے خوشنویس خاں قطب شاہی کے مخطوطے ہی سے اسے نقل کیا ہو ۔

میر محمد مومن کے مرثیوں اور قصیدوں سے ان کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے ۔ انہوں نے محمد قلی قطب شاہ کی تعریف میں بھی قصیدے لکھے ہیں اور سلطان محمد کی قصیدہ سرائی بھی کی ہے لیکن ان سب قصیدوں میں زبان و بیان کے طمطراق اور جوش اظہار کے اعتبار سے اُن کا ایک قصیدہ جو اُنہوں نے سلطان محمد کی تخت نشینی پر لکھا تھا اُن کا شاہکار قصیدہ سمجھا جاتا ہے سلطان محمد شروع ہی سے میر محمد مومن کے منظور نظر تھے ۔ ان کی تعلیم و تربیت ، شادی اور ولیعہدی کے سارے مرحلے میر صاحب کی مرضی اور ہدایت کے بموجب انجام پائے تھے اس لئے ظاہر ہے کہ سلطان محمد کی تخت نشینی کی تقریب سعید کے موقع پر میر صاحب کے جذبات خلوص و محبت کی سرشاری اپنی انتہا پر ہوگی جس کا بے اختیارانہ اظہار اس قصیدے کے ہر شعر سے ہوتا ہے ۔ میر محمد مومن کا یہ قصیدہ ۴۹ ابیات پر مشتمل ہے ۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں —

با محبت باز بستم عہد و پیمان نوی
کہنہ جانے می فشانم پیش جانان نوی
خستہ جانم کہنہ ، لیکن جانفشانی تازہ است
عہد سلطان نو است و عہد قربان نوی

بہر دفع چشم بد در پیش چشمان خوشش
اے دریغا کاش بودے ہر دمم جان نوی
کہنہ عالم باز پر افشانی سر کردہ است
چوں زلیخا از وصال ماہ کنعان نوی

میر محمد مومن کی غزلوں میں بھی علمیت کا رنگ غالب ہے ، اُن کی ندرت فکر اور معنی آفرینی ، اُن کی غزلوں میں ضرور پائی جاتی ہے لطافت و کیفیت اور جذبہ کی شدت سے ان کی غزلوں کے اشعار خالی ہیں ، ہمارا خیال ہے کہ میر صاحب کا ہم عصر اور محمد قلی قطب شاہ کا وزیر اعلی میر محمد امین (روح الامین) میر محمد مومن سے زیادہ بلند مرتبت اور عالی مقام شاعر تھا ۔ میر محمد مومن کی غزلوں کے اشعار کا ایک مختصر سا انتخاب یہاں پیش کیا جاتا ہے —

ذکر تو در ہمہ حالے ، دل مشتاقاں را
آنچناں خوش کہ در آغوش دعا بسم اللہ
من و دل را سفر کعبۂ عشق آمدہ پیش
ہر کہ دارد سر ہمراہی ما ، بسم اللہ

خوشم کہ در دل من عشق مدعا ، نگذاشت
مرا بہ بوالہوسی ہائے خویش وا نگذاشت
چہ آفتی تو ندانم کہ در جہاں امرور
محبت تو دو کس باہم آشنا نگذاشت

کردہ شوخے بہ دلم خانہ مبارک باشد
شمع من منصب پروانہ مبارک باشد
بہ ہوائے سیر کوئے کہ تو می دانی و من
شب بروں آمدن از خانہ مبارک باشد

کمینه مرتبهٔ عشق، عشق مجنوں است
محبتے کم ازو، داخل محبت نیست

یک روز بود صحبت عالم، همه یک روز
زانروئے قیامت به زبانها، همه فرداست

فلک نداد مرادم، چنانچه دل می خواست
ولے ز هر سر مویم، صد انتقام کشید

خوش آنکه برت شرح دهم مشکل خود را
واکرده نمایم بتو داغ دل خود را
در حشر کنم دعوی خوں با تو که شاید
یک بار دگر زار کشی بسمل خود را

فردا که همه حاصل خود را بنمایند
من نیز نمایم دل بے حاصل خود را

عشق را گفتند قومی کار بیکاراں ولے
هرکرا دیدیم در کوئے محبت کار داشت

بناز مت که پئے قتل عاشقاں همه روز
میان عشوهٔ و ناز تو عهد و سوگند است
بکوئے عشق سراسیمه مانده ام مومن
که هر طرف نگرم راه جستجو بند است

از خشک و تر دهر چه لذت چه ثمر یافت
آں را که دل سوختهٔ و چشم ترے نیست
هر فتنه که دیدم همه از کوئے تو برخواست
در دهر بغیر از تو مگر فتنه گرے نیست

باما حریف هم سفری نیست هر کسے
کایں کارواں در اول شب بار می کند

زان لعل باره نوش و زاں چشم مے فروش
پیمان ما به ساغر و پیمانه تازه شد

دل آشفتهٔ عاشق فراغت بر نمی تابد
خرابستان رسوائی عمارت بر نمی تابد

عالم شگفت و خاطر ما نا شگفته ماند
گلزار مهر و باغ وفا نا شگفته ماند
شرمنده ام که غنچهٔ پژمردهٔ دلم
با صد هزار سعی صبا نا شگفته ماند

حاجی ابر قوی

ابراہیم قطب شاہ کے زمانے میں حاجی ابر قوی ایران سے گولکنڈہ آیا تھا اور قطب شاہی دربار کے متوسلین میں شامل ہوگیا تھا۔ ابراہیم قطب شاہ کے جانشین محمد قلی قطب شاہ کے دور حکومت میں بھی وہ قطب شاہی دربار سے وابستہ رہا۔ تذکرے اور تواریخ ابر قوی کے ذکر سے خالی ہیں۔ اس کے دیوان کا ایک نایاب مخطوطہ [1] کتاب خانۂ مجلس شورائے ملی تہران میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد استاد فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنے سفر تہران کے دوران میں اسی نسخے کا مطالعہ کرنیکے بعد حاجی ابر قوی پر ایک مختصر سا مضمون تحریر کیا ہے [2] جس میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا ہے کہ اس دیوان میں ایک قصیدہ امام رضا کی مدح میں ہے جس کے ایک حصے میں شاعر نے اپنی زندگی کے بعض گوشوں پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اسکا عنوان « نسب نامہ » رکھا ہے۔ «نسب نامہ» کے حسب ذیل اشعار کے مطالعہ سے ابر قوی کی زندگی کے بارے میں جو داخلی شہادتیں فراہم ہوتی ہیں وہ بہت اہم ہیں اس لئے ہم ان اشعار کو تمام و کمال یہاں نقل کرتے ہیں :—

من بے سروپا کہ گشتم ز خاصاں — پدر کرد و مادر بود از لرستاں

بدامان مادر چو یک سالہ گشتم — پدر زیں جہاں شد بداں جائے پاکاں

۱ ۔ « دیوان ابر قوی » ۔ فہرست کتاب خانہ مجلس شورائے ملی تہران ۔ صفحات ۲۵۲ ۲۵۳

۲ ۔ مضمون ڈاکٹر نذیر احمد استاد فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۔ مطبوعہ « نذر محمد قطب شاہ » بہ عنوان « سلاطین گولکنڈہ کی ادب نوازیوں کی چند زندہ یادگاریں » صفحات ۱۵۰ ۔ ۱۵۱

به شش سالگی دل بکارے نہادم — کزو بگذرانم معاشے خوش آساں

سہ سال از پئے گلہ رفتم بہ صحرا — شدم از برائے سگ نفس چو پاں

سہ سال دگر گرد گاواں دویدم — بنوعے کہ آسودہ گشتند گاواں

سہ سال دگر بندہ خر بندہ بودم — بہ کف چوب دائم بہ دنبال خویشاں

سہ سال دگر ہیزم عالمے را — ز کوہ فلک سا کشیدم بہ میداں

سہ سال دگر تخم ذاتی نشاندم — چو آں عاشقے کو بود اشک پاشاں

سہ سال دگر کار گل پیشہ کردم — رساندم بسے کاخ ایواں بہ کیواں

سہ سال دگر کردہ ام رہ رویہا — کہ خورشید گر دیدہ در گرد پنہاں

سہ سال دگر سود و سودا نمودم — کہ ہرگز نکردم دراں کار نقصاں

بہ ہنگام سی سالگی خواجہ گشتم — مرا چوں فلک کرد تاجر بدوراں

پئے سود و سودائے خود می دویدم — گہے سوئے شیراز و گہ سوئے کرماں

ان اشعار میں گویا حاجی ابر قوی نے اپنی زندگی کے پورے ۳۰ برسوں کی پوری داستان بیان کردی ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ اس کا باپ کرد تھا اور ماں کا تعلق لرستان سے تھا [1] ابھی ابر قوی کی عمر ایک ہی سال کی ہوئی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ جب وہ چھ سال کا ہوا تو اُسے

۱ ۔ لرستان شمال مغربی حصۂ کردستان سے ملا ہوا ہے ، ممکن ہے ابر قوی کا ننھیال اسی مغربی علاقے میں ہو اور اسکے باپ کا تعلق کسی قریب کے کردستانی علاقے سے ہو ، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکے والدین ابر قوہ میں سکونت پذیر ہوگئے تھے ۔ یہ مقام آبادہ سے یزد جانے والی سڑک پر پہلی منزل گاہ ہے جو اصفہان و شیراز کے درمیان شیراز سے ۲۲ فرسخ شمال میں واقع ہے ۔

معاش کی فکر دامن گیر ہوئی - چنانچہ چھ برس کی عمر سے لیکر ۲۴ برس کی عمر تک وہ مختلف قسم کے محنت طلب کام کرتا رہا لیکن جب وہ اپنی عمر کے ۲۵ ویں برس میں داخل ہوا تو اس نے تجارت شروع کی قسمت نے اس کا ساتھ دیا اور پانچ چھ سال کے اندر وہ ایک نامور تاجر بن گیا -

ابر قوی کی ابتدائی زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا تعلق غریب گھرانے سے تھا حصول تعلیم کا اسے موقع میسر نہیں آیا تاہم اس نے کم عمری ہی میں زندگی کا وسیع تجربہ حاصل کرلیا اور جب اسے اپنے کاروبار کے سلسلے میں مختلف ملکوں کا سفر کرنا پڑا تو اسکی بدولت اسکے مشاہدے اور تجربے میں اضافہ ہوا ، وہ اپنے وطن سے نکلکر حرم کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوا اور پھر سنہ ۹۷۲ ھ سے قبل ہندوستان پہنچا - اس کے دیوان میں ایک مثنوی « ناظر و منظور » بھی شامل ہے - اس مثنوی میں اس نے اپنے ہندوستان آنے کا ذکر کیا ہے - یہ مثنوی سنہ ۹۷۲ ھ میں تمام ہوئی جس کا ذکر اس نے اپنی مثنوی کے اس شعر میں کیا ہے —

بیت افسانۂ عشقم ز قلم صد و پنجاہ وشش آمد بہ رقم

غالباً اس کے کچھ عرصے بعد وہ گولکنڈہ پہنچا جہاں اس وقت ابراہیم قلی قطب شاہ (۹۵۷ تا ۹۸۸ ھ) کی حکومت تھی - کم و بیش سولہ برس تک وہ ابراہیم قلی قطب شاہ کے دربار سے وابستہ رہا اور ابراہیم کی وفات کے بعد اس کے جانشین محمد قلی قطب شاہ کے متوسلین میں شامل ہوگیا - محمد قلی کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ —

شہا در دکن بندہ سی سال گشتم ز حکم قضاؤ بہ امـــر الٰہی

گویا یہ قصیدہ اُس وقت لکھا گیا جبکہ اسے دکن میں رہتے ہوئے ۳۰ سال گذر چکے تھے - اگر گولکنڈہ میں اس کی آمد کا زمانہ سنہ ۹۷۲ ھ یا سنہ ۹۷۳ھ قرار دیا جائے تو اس حساب سے یہ نظم اس نے ۱۰۰۳ھ سے کچھ قبل لکھی

ہوگی - محمد قلی قطب شاہ کے زمانے میں ہی اس نے اپنا دیوان مدون کیا - اس کے دیوان میں حصۂ غزلیات کے خاکے پر ایک قطعہ ہے جس میں اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ اس نے اپنا پورا دیوان مصطفے خاں کے حکم سے مدون کیا تھا - حاجی ابر قوی کے دیوان میں ابیات کی تعداد ۲۴۰۰ کے قریب ہے - مذہبی قصائد کے علاوہ مثنوی « ناظر و منظور » بھی اسی دیوان میں شامل ہے - چونکہ حاجی ابر قوی کے دیوان کا صرف ایک ہی نادر قلمی نسخہ کتاب خانۂ شورائے ملی تہران میں محفوظ ہے اور ڈاکٹر نذیر احمد نے بھی اپنے مضمون میں حاجی ابر قوی کے اشعار نمونے کے طور پر پیش نہیں کئے ہیں اس لئے یہاں اسکی شاعری پر کوئی رائے نہیں دی جاسکتی - مثنوی « ناظر و منظور » کے بعض اشعار کا جو اقتباس اوپر درج کیا گیا ہے ان کے مطالعہ سے ابر قوی کی شاعری کا کوئی صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ ان اشعار میں اس نے اپنی زندگی کے بعض مشاغل اور واقعات کی جانب اشارہ کیا ہے اور ان کی نوعیت سراسر بیانیہ ہے حاجی ابر قوی کے دیوان کا حصۂ غزلیات اس شعر سے شروع ہوتا ہے —

من بیدل شوم قربان کمان ابرو انش را کشیدہ گرچہ نتوانم سر موئے کمانش را

کامی شیرازی

فارسی کا ایک غیر معروف شاعر کامی شیرازی بھی محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں حیدرآباد آیا تھا ۔ تواریخ اور تذکرے اس کے ذکر سے خالی ہیں ۔[1] ڈاکٹر امیر حسن عابدی نے کامی شیرازی پر ایک مضمون لکھا ہے ۔[2] ان کا بیان ہے کہ چودھری سبط محمد کے کتب خانہ میں[3] کامی کے کلیات کا ایک نفیس قلمی

۱ ۔ « تحفۃ الکرام » جلد دوم صفحہ ۲۰۹ پر کامی تخلص کے ایک شاعر کا ذکر ملتا ہے جسکے بارے میں صرف اتنا لکھا گیا ہے کہ « بر لطف طبع وحدت ذہن متصف در خدمت عبد الرحیم خانخاں بہ مزید اعتبار گذراندے ، اشعارش پاکیزہ است »

۲ ۔ " کامی شیرازی " — از ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی مطبوعہ مجلہ علوم اسلامیہ علی گڑھ جون ۱۹۶۰ع

۳ ۔ چودھری سبط محمد اکبر پور ، فیض آباد (اتر پردیش) کی خانگی لائبریری میں کلیات کامی کا ایک نایاب قلمی نسخہ محفوظ ہے ۔ ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی کے بیان کے بموجب کلیات کامی شیرازی تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے جسکی تفصیل یہ ہے :- غزلیں ۔ اشعار کی تعداد ۳۲۴۵ ، قطعات ، ابیات کی تعداد ۲۰۴ رباعیاں ۲۰۴ ، قصیدے ۳۱ ، ابیات کی تعداد ۱۱۲۱ ۔ ترکیب بند ۳۵ ۔ ابیات کی تعداد ۱۹۹ ، ترجیع بند ایک ، سو ابیات ۔ کلیات کے جملہ ابیات کی تعداد چھ ہزار سے زائد ہے ۔ کامی کے قصاید میں سات قصیدے حضرت علی کی منقبت میں ہیں ۔ پانچ محمد قلی قطب شاہ کی تعریف میں ، پانچ شاہ نواز خاں کی تعریف میں ، دو شاہ عباس کی مدح میں اور دو بادشاہ جہانگیر کی توصیف میں ہیں نیز اکبر بادشاہ ، امام علی خاں ، آصف خاں ، روح الامین اور امام زمانہ کی مدح میں ایک ایک قصیدہ اس کلیات میں شامل ہے ۔

نسخہ اُن کی نظر سے گذرا ، چنانچہ اسی نسخے کی بنیاد پر انھوں نے کامی کی زندگی اور شاعری کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے ۔ خوش قسمتی کی بات ہے کہ کامی نے اپنی شاعری میں کچھ ایسے اشخاص اور مقامات کا ذکر کیا ہے جنکی بدولت اسکے عہد اور اسکی زندگی کے بعض پہلوؤں کا انکشاف ہوتا ہے اس کی شاعری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ایران ، عراق حجاز اور ہندوستان کا سفر کیا تھا ۔ وہ اکبر کے عہد میں ہندوستان آیا تھا اور جہانگیر کے عہد میں بھی ہندوستان میں تھا ، حیدرآباد میں اُس وقت محمد قلی قطب شاہ تخت سلطنت پر متمکن تھا اور بیجاپور کا بادشاہ ابراہیم عادل شاہ تھا ۔ کامی کے کلیات میں گولکنڈہ ، بیجاپور ، دہلی اور اصفہان کے متعدد عمائدین اور سلاطین کی تعریف و توصیف میں قصیدے اور قطعات پائے جاتے ہیں جن سے کامی کے بارے میں متعدد داخلی شہادتیں فراہم ہوتی ہیں ۔ کامی شیرازی کی ایک مثنوی « وقایع الزماں »[1] یا « فتح نامہ نور جہاں بیگم » کا بھی پتہ چلتا ہے جسکے دو قلمی نسخے کتاب خانۂ ملی پیرس میں محفوظ ہیں ۔

۱ ۔ مجلہ علوم اسلامیہ علی گڑھ شمارہ جون ۱۹۶۰ع میں کامی شیرازی پر امیر حسن عابدی کے مضمون کے ذیل میں ایڈیٹر نے یہ نوٹ دیا ہے کہ کامی شیرازی کی مثنوی « وقایع الزماں » کے ان دونوں قلمی نسخوں کا عکس جو پیرس کے کتاب خانۂ ملی میں محفوظ ہیں کتاب خانۂ شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے اور وقار الحسن صدیقی متعلم ایم ۔ اے (شعبۂ تاریخ) نے اس مثنوی کا فارسی متن اشاعت کے لئے مرتب کرلیا ہے اور انگریزی میں اس کا اختصار بھی کیا ہے اور اس پر حواشی و تعلیقات بھی لکھے ہیں ۔ یہ کتاب شعبۂ تاریخ کی طرف سے شایع ہونے والی ہے ۔ کامی شیرازی کی مثنوی « وقایع الزماں » کا سنہ تالیف ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۶-۱۶۲۵ع) ہے ۔ یہ کابل میں لکھی گئی اور شاعر نے اسے بادشاہ جہانگیر کے نام معنون کیا ہے ۔

یہاں ہم کامی شیرازی کی زندگی کے صرف اُس پہلو پر روشنی ڈالیں گے جس کا تعلق حیدرآباد سے رہا ہے - محمد قلی قطب شاہ کا میر جملہ ، مرزا محمد امین شہرستانی کامی کا خاص ممدوح تھا - مرزا محمد امین (جس کا تفصیلی ذکر اوپر کے صفحات میں آچکا ہے) ۱۰۱۰ھ سے ۱۰۲۱ھ تک حیدرآباد میں عہدۂ میر جملگی پر مامور رہا اور پھر ۱۰۲۶ھ سے ۱۰۴۷ تک دہلی کے مغلیہ دربار کے زمرۂ ملازمین میں شامل رہا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا محمد امین سے کامی کا تعلق اسی زمانے میں پیدا ہوچکا تھا جبکہ وہ حیدآباد کی قطب شاہی سلطنت سے وابستہ تھا ، کامی کے کلیات میں محمد قلی قطب شاہ کی وفات پر ایک قصیدہ بھی ملتا ہے جسکا پہلا شعر ہے —

باز آتش نوحہ کارگر شد نخل غم و غصہ بارور شد

محمد قلی قطب شاہ نے ۱۰۲۰ھ میں وفات پائی - محمد قلی کی وفات پر کامی کا مرثیہ اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ ۱۰۲۰ھ سے قبل ہی کامی حیدرآباد آیا ہوگا اور محمد قلی کی وفات کے وقت وہ حیدرآباد میں میں موجود ہوگا ۱۰۲۰ھ سے قبل کامی کی حیدرآباد میں موجودگی کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ کامی نے محمد قلی قطب شاہ کے « الہی محل » کی تعریف میں بھی ایک قصیدہ لکھا ہے ، حیدرآباد کی یہ سات منزلہ رفیع الشان عمارت محمد قلی قطب شاہ نے ۱۰۱۹ھ میں تعمیر کرائی تھی جسکی تاریخ تعمیر میرک معین سبزواری نے « بنائے جاں بخش » سے نکالی تھی - اس عمارت کی تعریف میں کامی شیرازی ۱۰۱۹ھ کا قطعہ تاریخ یہ ہے —

قطب جہاں جان جہاں قطب شاہ آنکہ نظیرش نبود در جہاں

گشت فلک بام الہی محل آمدہ تاریخ تمامی آں

۱۰۱۹ھ

کامی نے اپنی بعض غزلوں میں میرک معین سبزواری ، میر محمد مومن ، علامہ ابن خاتون[1] اور نصیرائے ہمدانی کا بھی ذکر کیا ہے میرک معین سبزواری احمد نگر کے بادشاہ مرتضی نظام شاہ کے عہد کا ایک معزز امیر تھا جسے ۹۸۸ھ میں سفیر بناکر گولکنڈہ بھیجا گیا تھا - میرک معین سے کامی کی ملاقات گولکنڈہ ہی میں ہوئی ہوگی - میر محمد مومن نے جو مرتضائے ممالک اسلام کے لقب سے بھی مشہور تھے ، اور محمد قلی قطب شاہ کے زمانے میں قطب شاہی سلطنت کے پیشوا مقرر ہوئے تھے اور محمد قلی کے جانشین سلطان محمد قطب شاہ کے دور میں بھی وہ اسی عہدۂ جلیلہ پر مامور رہے - ۱۰۳۴ھ میں انتقال کیا اور حیدرآباد ہی میں پیوند خاک ہوے - علامہ ابن خاتون محمد قلی قطب شاہ کے زمانے میں حیدرآباد آئے تھے - سلطان محمد قطب شاہ کے عہد میں میر محمد مومن کے انتقال کے بعد قطب شاہی سلطنت کے پیشوا مقرر ہوے - نصیرائے ہمدانی کا تعلق بھی قطب شاہی دربار سے تھا - میرک معین کا ذکر کامی نے اس طرح کیا ہے —

بہ رشکم آسماں دائم زمین است
کہ جایم در دل میرک معین است

میر محمد مومن کی تعریف میں کامی نے لکھا ہے کہ —

کامی از نواب مومن عذر بر مصحفہا بخواہ
کانچنیں پنہاں مرا تا گرمیٔ بازار داشت

---

۱ - علامہ ابن خاتون متعدد کتابوں کے مصنف اور مترجم گذرے ہیں ، وہ بہاؤ الدین العاملی کے شاگرد اور فیض یافتہ تھے - بہاؤ الدین العاملی کی شہرۂ آفاق کتاب « ترجمۂ اربعین » کا بھی فارسی میں ترجمہ کیا - اس کتاب کا موضوع حدیث امامیہ ہے - اس کا ایک قلمی نسخہ سالار جنگ لائبریری حیدرآباد کے شعبۂ مخطوطات میں ، حدیث امامیہ ، کے تحت نمبر ۹ پر محفوظ ہے -

کامی کے ایک اور شعر میں مرتضائے ممالک اسلام کا ذکر آیا ہے - یہ میر محمد مومن ہی کا لقب تھا - مجلۂ علوم اسلامیہ علی گڑھ کے ایڈیٹر کا یہ قیاس کہ « مرتضائے ممالک اسلام » کا اشارہ ممکن ہے میراں یزدی کی طرف ہو، درست نہیں ہے - اس زمانے میں یہ لقب میر محمد مومن کے واسطے استعمال ہوتا تھا قطب شاہی تاریخ اور دوسری معاصرانہ تصانیف میں کئی جگہ اُنہیں اسی لقب سے مخاطب کیا گیا ہے مرتضائے ممالک یعنی میر محمد مومن کے تعلق کامی کا شعر یہ ہے —

مرتضائے ممالک اسلام که رسد یاوری ز معبودش

علامہ ابن خاتون کا ذکر کامی نے اپنے ایک شعر میں اس طرح کیا ہے —

شیخ فاضل محمد خاتون که ازو بس دلے شده خوشنود

نصیرائے ہمدانی کا ذکر کرتے ہوئے کامی نے ایک رباعی میں کہا ہے —

ہر چند مرا کوئے ستم جا باشد خورشید فراغتم نه پیدا باشد

بر جان نشاط خرمی افزایم گر زانکه مربیم نصیرا باشد

محمد قلی قطب شاہ کی تعریف میں ایک ترکیب بند اور دو مثنویاں کامی کے کلیات میں پائی جاتی ہیں - ترکیب بند کا پہلا شعر ہے —

افگنده باد غلغلۂ عیش در جہاں

جام مئے مروق و گلہائے بوستاں

مثنوی کے ابتدائی اشعار یہ ہیں —

پہلی مثنوی :—

بیا ساقی از خود رہائیم دہ

بدور سبو آشنائیم دہ

دوسری مثنوی :—

شبے چو روز عاشق تیرۂ و تار شبے در تیرگی چوں زلف دلدار

مرزا محمد امین شہرستانی (روح الامین) کے تعریف میں ایک قصیدہ اور کئی رباعیات و قطعات کامی کے کلیات میں شامل ہیں اور اپنی غزلوں کے بعض اشعار میں بھی وہ روح الامین کا ذکر کرتا ہے - ایک جگہ وہ «روح الامین کو اپنا استاد بتاتا ہے اور اس پر نازاں بھی ہے —

به ہفت اقلیم ازاں بر دند شعر کامی شیراز

که چوں روح الامیں فرماند ہے گردید اُستادش

ایک اور شعر میں کہتا ہے —

مرا که روح امیں گشت در جہاں ممدوح

به چرخ در سخن به نرخ جاں ندہم

روح الامین کی توصیف اور اپنی تعلی میں کامی کی ایک رباعی ملاحظہ ہو —

کیں بود ہمیشه آسماں را به زمیں فخرے که چو من نیست ترا روح امیں

اکنوں به زمیں بر دشمار شک که نیست چوں روح امین مرا روح امیں

کامی نے اپنے کلام میں بعض متقدمین اور ہم عصر شعرا کا بھی ذکر کیا ہے - اسے اپنے کمال فن پر ناز ہے - کہتا ہے که سعدی و حافظ اور حسن اور کمال کے بعد میں ہی سلطان سخن ہوں —

تا بر رخ کس در جفا باز بود با غصۂ و غم ہمیشه دمساز بود

بعد از حسن وحافظ وسعدی وکمال سلطان سخن کامی شیراز بود

ایک اور جگہ کہتا ہے —

ز بعد حافظ و سعدی و اہلی و عرفی کسے چو کامی شیراز نیست قانیہ سنج

ایک رباعی میں کامی نے تعلی کی ہے کہ —

آنم کہ بہ فہم در جہاں ممتازم با سعی فکر ہر نفس دمسازم

ہر چند غزل مسلم طبع من است در فن قصیدہ کامی شیرازم

ڈاکٹر امیر حسن عابدی اگر اپنے مضمون میں کامی شیرازی کی غزلوں اور قصیدوں کے کچھ اشعار بھی نقل کردیتے تو کامی کی شاعری کا جائزہ لینے میں آسانی ہوتی - بہر حال یہ امر مسلم ہے کہ وہ ایک پر گو اور قادر الکلام شاعر تھا - حیدرآباد میں وہ کب سے کب تک سکونت پذیر رہا اسکا تعین تو مشکل ہے البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کم از کم ۹۱۹ ۹۲۰ھ میں وہ حیدرآباد ہی میں تھا اور قطب شاہی سلطنت کے میر جملہ محمد امین المتخلص بہ روح الامین کے مقربین اور محمد قلی قطب شاہ کے مداحوں میں شامل تھا -

شریف کاشانی

ایران کا ایک نامور شاعر ، مرزا شریف بھی محمد قلی قطب شاہ کے متوسلین میں شامل تھا - مرزا شریف یا شریف محمد ، باد خاں (کاشان) میں پیدا ہوا - اوائل شباب میں علوم و فنون کی تحصیل سے فارغ ہوکر سیر و سیاحت کے ارادہ سے نکلا اور کچھ دنوں سیستان و ہرات میں ٹھہرتا ہوا ۹۹۴ھ (۱۵۷۶ع) میں ہندوستان پہنچا - خانخانان کی سلک ملازمت میں داخل ہوا اور پھر کچھ مدت بعد گولکنڈہ آیا - اور محمد قلی قطب شاہ کے دربار سے وابستہ ہوگیا - آخر عمر تک یہیں رہا اور سنہ ۱۰۳۷ ھ میں وفات پائی -

شریف کاشانی کے دکن آنے کا حال کئی تذکروں میں ملتا ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کس سنہ میں یہاں آیا تھا ، « آتشکدہ » کے اس بیان کو اگر صحیح مان لیا جائے کہ وہ محمد قلی قطب شاہ کے زمانے میں گولکنڈہ آیا تھا اور عبد اللہ قطب شاہ کی تخت نشینی کے تیسرے سال سنہ ۱۰۳۷ھ میں گولکنڈہ ہی میں اس نے انتقال کیا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے قطب شاہی خاندان کے تین سلاطین کا زمانہ دیکھا لیکن قطب شاہی تذکرے اور تواریخ اس کے ذکر سے خالی ہیں - شریف کے دیوان کا ایک قدیم و نفیس نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے جو اس کی زندگی میں لکھا گیا تھا - اس نسخے پر شاعر کے دستخط اور ۲۶ - صفر سنہ ۱۰۲۶ھ م (۵ - مارچ ۱۶۱۷ع) کی تاریخ ثبت ہے - اوڈھ لائبریری کے کیٹلاگ میں بھی « دیوان شریف » کے ایک نسخے کا حوالہ ملتا ہے اس کی تاریخ کتابت بھی سنہ ۱۰۲۶ھ ہے اس دیوان میں « خسرو شیریں » کے نام سے شریف کی ایک مثنوی بھی شامل

ہے ۔ شریف کے کلام میں پختگی، روانی اور معنی آفرینی کی خصوصیات بدرجۂ اتم موجود ہیں ۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں :—

چوں نے ز بسکہ سینۂ تنگ از فغاں پر است
گر تا بروز حشر بنالم ہمان پر است

حاشا کہ شریف در رہ عشق
تا سر نہ نہد ز پا نشیند

خزاں مباش کہ برگ و بر چمن ریزی
بہار باش کہ شاخ گلے بہ بار آری

بہ عقل کعبہ نوردم بہ عشق دیر نشیں
چراغ ہر دو بہ یک قطرہ خون من سوزد

میرک معین سبزواری

ابراہیم قطب شاہ کے انتقال کے بعد محمد قلی قطب شاہ کی تخت نشینی کے موقع پر احمد نگر کے بادشاہ حسین نظام شاہ نے مراسم تعزیت اور لوازم تہنیت ادا کرنے کے لئے میرک معین سبزواری کو اپنا حاجب بناکر گولکنڈہ بھیجا ۔[1] وہ کئی برس تک گولکنڈہ میں قیام پذیر رہا ۔ صاحب « محبوب الزمن »[2] نے لکھا ہے کہ « میرک معین اکبری زمانہ میں ہندوستان آیا اور سلاطین قطب شاہیہ کی خدمت میں گولکنڈہ پہنچا ۔ یہ ابراہیم قطب شاہ کا زمانہ تھا بادشاہ کی خدمت میں ملازمت اختیار کی ۔ منصب عمدہ پایا اور گولکنڈہ حیدرآباد ہی میں فوت ہوا » لیکن صاحب موصوف کا یہ بیان محل نظر ہے ۔ قطب شاہی تواریخ اس امر پر متفق ہیں کہ « میرک معین ، دربار احمد نگر سے وابستہ تھا اور احمد نگر کے سفیر کی حیثیت سے محمد قلی قطب شاہ کی تخت نشینی کے وقت سنہ ۱۰۸۸ھ میں گولکنڈہ آیا تھا البتہ یہ بہت ممکن ہے کہ اس نے گولکنڈہ ہی میں وفات پائی ہو ۔ گولکنڈہ میں اس کے طویل قیام کا ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی میں مختلف شاہی تقاریب اور دوسرے موقعوں پر میرک معین کے کہے ہوئے قطعات کا ذکر کیا گیا ہے ۔ مثلاً جب محمد قلی قطب شاہ نے اپنی اکلوتی بیٹی شہزادی حیات بخشی بیگم کو سنہ ۱۰۰۷ھ میں اپنے بھتیجے محمد بن محمد امین بن ابراہیم قطب شاہ کے عقد نکاح میں دیا تو گولکنڈہ میں بڑی دھوم دھام سے جشن شادی منایا گیا ۔ میرک معین نے اس موقع پر یہ تہنیتی قطعہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا ۔

---

۱ ۔ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی ورق ۲۲۷ ب ۲ ۔ تاریخ ظفرہ صفحہ ۱۸،۱۷

۲ ۔ محبوب الزمن صفحہ ۱۰۲۳

دوش سرکردہ خیالم رہ بزمے چو بہشت
اہل آں بزم چو خور از ہمہ نورانی چہر

بزم عیشے کہ ملائک بہ تماشا شدہ چشم
سربروں کردہ چو انجم ہمہ از جیب سپہر

گفتم این بزم گہ عیش چہ، تاریخش چیست
کہ از افلاک بہ ایام ہمی بارد مہر

عقل گو بود چو من مست مئ حیرت، گفت
عید مولودئ و بزم شہ و عقد مہ و مہر

چار بیتے مکن ایں قطعہ معیں می شاید
در چنیں نظم نوی می گذرد قافیۂ سحر

شہر حیدرآباد میں سنہ ۱۰۱۹ھ میں « قصر داد محل » تیار ہوا تو میرک معین نے اس قصر کی تعریف میں یہ رباعی لکھی :—

ایں قصر کہ ہست رشک فرمائے بہشت ایام بہ باب زندگانیش نوشت
تاریخ مرتب شدنش کلک قضا بر لوح بقا « بنائے جاں بخش » نوشت

میرک معین کا کلام ناپید ہے ۔ اوپر کے قطعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معین تخلص کرتا تھا ۔ اور خوش فکر شاعر تھا ۔ محبوب الزمن میں اس کے چار اشعار نقل کئے گئے ہیں جو یہاں پیش کئے جاتے ہیں —

حضر گاہے خود نمائیہا بہ مردم می کند
یافت ہر کس دولتے ، خود را چرا گم می کند

در ظلمت فراق چناں گم شدم کہ وصل
بے شمع روئے دوست نیابد نشان ما

با کسے یکدم آشنا نہ شدیم
کہ چو مژگاں ز ہم جدا نہ شدیم

جز رفیقے نہ بود تنہائی
باعث با خود آشنا نہ شدیم

مسیحا کاشی

رکن الدین مسعود الشہیر حکیم رکنا کاشی گیارہویں صدی ہجری کا ایک بلند پایہ فارسی شاعر گذرا ہے۔[1] اس نے اپنی شاعری میں مسیح، مسیحا اور مسیحی تین تخلص اختیار کئے ہیں حیدرآباد کے قطب شاہی دربار سے اسکا کوئی تعلق نہیں رہا لیکن محمد قلی قطب شاہ کے زمانے میں وہ حیدرآباد آیا تھا اس لئے یہاں اختصار کے ساتھ اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اس کا نام رکن الدین مسعود تھا۔ مسیح، مسیحا اور مسیحی تخلص کرتا تھا۔ اسے فن طبابت میں بھی ید طولی حاصل تھا۔ شاہ عباس صفوی کے مصاحبان خاص میں شامل رہا۔ اور پھر ہندوستان آکر اکبری دربار سے وابستہ ہوگیا۔ اسکے حیدرآباد آنے کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوتی۔ تمام تذکرہ نگار اس امر پر متفق ہیں کہ وہ محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں حیدرآباد پہنچا تھا۔ میرمحمد مومن اس وقت سلطنت کے پیشوا تھے۔ میرمومن، حکیم رکنا کاشی کے مرتبۂ و مقام سے غالباً واقف تھے اس لئے جب ان کو اطلاع ملی کہ حکیم رکنا کاشی حیدرآباد تشریف لائے ہوے ہیں تو وہ ان سے ملنے کے لئے خود ان کی جائے سکونت پر پہنچے۔ حکیم رکنا شراب نوشی کا عادی تھا اور جس وقت میرمومن انکےپاس پہنچے تو فارسی شعرا کے تذکرہ نگاروں کے بموجب « حکیم به رسم تواضع شیشۂ گلاب را غلط کردہ، شیشۂ شراب را بر چہر افشاند۔ میر آزردہ گشت و حکیم غرق عرق انفعال شدہ راہ بیجا پور گرفت » حکیم رکنا کی حیدرآباد میں آمد و روانگی اور میرمومن و حکیم رکنا کی ملاقات کا ناگوار واقعہ کس زمانے میں پیش آیا اس کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

۱۔ مآثر الکلام صفحات (۵۳ ۔ ۵۴) ۔ « آتشکدہ » (ورق ۱۵۴ الف)
« تذکرہ نتائج افکار » صفحہ (۳۹۰)

حکیم اپنے عہد کا بہت بڑا شاعر تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایک لاکھ سے زاید شعر کہے آخری عمر میں وہ ایران لوٹ گیا تھا۔ سنہ ۱۰۵۵ھ میں وفات پائی۔ اس کی تاریخ وفات اس مصرع سے نکلتی ہے —

« رفت به سوئے فلک باز مسیح دوم »

محسن ہمدانی

ملا محسن، ملا شیرازی کا بیٹا تھا۔ ہمدان میں پیدا ہوا۔ ہمدان سے ہندوستان آیا۔ پہلے احمد آباد گجرات پہنچا اور پھر کچھ عرصہ بعد حیدرآباد آیا۔ سلاطین قطب شاہیہ، محسن کے ہموطن تھے اس وقت سلطان محمد قلی قطب شاہ کا زمانہ تھا۔ بادشاہ نے اُس کی بڑی خاطر کی اور بہت کچھ سلوک فرمایا۔ مدت تک وہ دکن میں رہا۔ سنہ ۱۰۰۵ھ میں انتقال کیا۔ اس کا کلام ناپید ہے۔ تذکرہ نگاروں نے صرف اس کا ایک شعر نقل کیا ہے —

غرور حسن نگذارد یاد دوستاں آری الٰہی تیرگی بخشد کسونی آفتابت را

دوسرے شعرا

وحشی کاشی:— ملا محتشم کا شاگرد اور مرثیہ گو شاعر تھا۔ محرم کی مجالس عزا میں بادشاہ کے روبرو مرثیے پڑھا کرتا تھا سنہ ۱۰۱۳ھ میں حیدرآباد میں فوت ہوا [1]

فکری:— مرزا محمد رضا صفاہانی۔ شاہ عباس اور حکیم شفائی کا معاصر تھا۔ سیاق اور شعرگوئی میں اسکو کامل مہارت تھی۔ سلطان محمد قطب شاہ کے عہد میں میر جملہ محمد امین شہرستانی سے پہلے اس نے وزارت کے فرائض بھی انجام دئے تھے۔ سنہ ۱۰۱۰ھ میں حیدرآباد میں انتقال ہوا [2]

منصف:— غیاث الدین اصفہانی جس کا تخلص منصف تھا محمد قلی کے عہد میں گولکنڈہ آیا اور کچھ روز حیدرآباد میں مقیم رہنے کے بعد برہان پور چلا گیا اور وہاں مرزا رستم کی مصاحبت اختیار کرلی۔ وہیں سنہ ۱۰۱۶ھ میں انتقال کیا [3]

سراج الدین عارف:— اس کا والد غیاث الدین علی ولایت شبانکارہ کا کلاں تر تھا۔ اس کی ولادت ایگ میں ہوئی۔ اکبر کے عہد میں قندہار کی راہ سے ہندوستان آیا اور مختلف شہروں کی سیاحت کرتا ہوا جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد گولکنڈہ پہنچا محمد قلی کے دربار میں باریابی حاصل کی۔ قصیدہ

---

۱ ۔ عمادیہ صفحہ ٤٤

۲ ۔ « گل رعنا » « نشتر عشق » « آتشکدہ » صفحہ (۱۹۰) عمادیہ صفحہ (٤٤)

۳ ۔ « مے خانہ » صفحہ (۲۱۷) « عمادیہ » صفحہ (٤٤)

پیش کیا۔ جسکے صلہ میں رقم خطیر بادشاہ نے عنایت کی۔ اسکے بعد یہاں سے واپس ہوا۔ اور براہ سمندر ہرمز سے ہوتا ہوا وطن چلا گیا [1]

میر حسن عسکری:— سادات کاشان سے تھا۔ محمد قلی قطب شاہ کے زمانے میں بغرض تجارت حیدرآباد آیا۔ بادشاہ نے اُس سے ملازمت کی خواہش کی لیکن اس نے انکار کردیا اور آٹھ سال یہاں رہنے کے بعد وطن کی جانب مراجعت کی [2]

فکر رازی:— مشہور عالم اور شاعر گذرا ہے۔ شاہ طہماسپ صفوی کا ہم عصر تھا۔ بطور سیر دکن آیا بیجاپور سے ہوتا ہوا حیدرآباد پہنچا۔ کئی مہینے قطب شاہ کے ہاں مہمان رہا۔ واپسی کے وقت بادشاہ نے اُسے دس ہزار ہون عطا فرمائے [3]

---

۱ ۔ « مے خانہ » صفحہ (۲۲٤) « عمادیہ » صفحہ (٤٥)

۲ ۔ « مے خانہ » صفحہ (٤٧٤)

۳ ۔ « گل رعنا » صفحہ (۱۷۸) « عمادیہ » صفحہ (٤٥)

باب سوم

سلطان محمد قطب شاہ

سلطان محمد قطب شاہ نے اپنے چچا محمد قلی قطب شاہ کے جانشین کی حیثیت سے ۲۰ برس کی عمر میں ۱۷ ۔ ذیقعدہ سنہ ۱۰۲۰ھ کو تخت سلطنت پر جلوس فرمایا ۔ وہ محمد قلی کے بھائی مرزا محمد امین کا فرزند اور محمد قلی کا بھتیجا اور داماد تھا اس کے عہد میں حیدرآباد کی علمی اور ادبی سرگرمیاں اپنے عروج پر پہنچ گئیں اس دور کے ارباب علم و حکمت اور اصحاب فکر و بصیرت میں علامہ ابن خاتون ، مولانا حسین آملی ، شیخ جعفر علی ، ملا عبد الحکیم ، سید کمال الدین مازندانی ، میر قطب الدین نعمت اللہ ، نظام الدین احمد الصاعدی شیرازی ، تقی الدین بن شیخ صدر الدین علی ، اور سیادت پناہ سید محمد مرتضی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ سلطان محمد قطب شاہ کے دور کے عالموں اور شاعروں میں میر محمد مومن استرآبادی ، میر مجد الدین ، اور شریف کاشانی زندہ تھے ۔ اس کے عہد میں حیدرآباد آنے والے شاعروں میں عشرتی یزدی علی گل استرآدی ، میرمومن ادائی یزدی ، محمد امین بن محمد شریف استرآبادی ، قبار بیگ کوکبی ، صالی اردستانی ، سید مراد اصفہانی ، حکیم رکنا کاشی فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے ۔ سلطان محمد کا مزاج و کردار اپنے محمد قلی قطب شاہ سے بہت مختلف تھا ۔ فنون لطیفہ سے کہیں زیادہ اسے فلسفہ ، تاریخ اور مذہبی علوم سے لگاؤ تھا ۔ اسکی تعلیم و تربیت بھی اسی نہج پر ہوئی تھی ۔ اس کے بچپن اور نوجوان شباب کا زمانہ یکتائے روزگار علما کی صحبت میں گذرا تھا ۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اپنے وقت کا بہت بڑا حصہ کتب بینی میں صرف کرتا تھا ۔ اس کے شاہی کتب خانے میں مذہبیات ، تواریخ اور فلسفہ و حکمت کی منتخب اور بیش قیمت کتابیں موجود تھیں وہ ہر کتاب کا بہت غور سے مطالعہ کرتا اور اُس پر اپنی رائے ضرور

لکھتا ۔ ایسی کتابوں کے متعدد قلمی نسخے آج بھی ملتے ہیں جن پر یا تو سلطان محمد قطب شاہ کے دستخط ثبت ہیں یا اس کی تحریریں پائی جاتی ہیں ۔

سلطان محمد نے اپنے چچا محمد قلی قطب شاہ کے اردو اور فارسی کلیات کو مرتب کیا اور اس پر ایک طویل مقدمہ بھی لکھا ۔ فارسی نثر کی متعدد تصانیف اس کے نام سے وابستہ کی جاتی ہیں ۔ وہ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا ۔ فارسی شاعری میں اس نے پہلے ظل اللہ اور بعد میں سلطان تخلص اختیار کیا ۔

سلطان محمد قطب شاہ کے فارسی کلام کا ایک نایاب نسخہ « دیوان ظل اللہ »[1] کے نام سے سالار جنگ لائبریری میں محفوظ ہے ۔ یہ دیوان ۱۷۷ ابیات پر مشتمل ہے ۔ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کے مؤلف نے سلطان محمد قطب شاہ کے اشعار کا جو انتخاب کیا ہے ان کی تعداد زیر نظر دیوان کے اشعار سے زیادہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دیوان تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کی تالیف سے پہلے مدون کیا گیا تھا ۔ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کا سنہ تالیف سنہ ۱۰۲۵ ھ ہے ۔ اس میں سلطان محمد کے عہد حکومت کے صرف ابتدائی پانچ برسوں کے حالات درج ہیں ۔ یعنی سلطان محمد کا جو فارسی کلام ہمیں تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کے اوراق میں یا زیر نظر دیوان کی شکل میں ملتا ہے وہ اس کے سنہ ۱۰۲۵ ھ تک کے

---

۱ ۔ « دیوان ظل اللہ » سالار جنگ لائبریری شعبۂ مخطوطات فارسی ادب نظم ۶۳۹ مسطر آٹھ سطری خوش خط ، مطلا و مذہب ۔ صفحات ۵۵ آخری چار صفحات پر سلطان محمد کا ایک اردو مرثیہ مرقوم ہے یہ محمد قلی قطب شاہ کا مرثیہ ہے ۔ فارسی اشعار کی جملہ تعداد ۱۷۷ ہے ۔ سلطان محمد کے زمانے کا لکھا ہوا نسخہ معلوم ہوتا ہے ۔

کلام پر مبنی ہے جبکہ اس کی عمر ۲۶ برس کی تھی اور قطب شاھی سلطنت کی عنان حکومت اپنے ھاتھ میں لئے ہوے اسے صرف پانچ برس ہوے تھے - اس کے بعد بھی اس نے مزید دس برس تک حکومت کی اور سنہ ۱۰۳۵ھ میں وفات پائی - اس زمانے میں بھی یقیناً اس نے شعر گوئی کا مشغلہ جاری رکھا ہوگا لیکن اسکی زندگی کے ان دس برسوں کی تخلیقات کا کہیں کوئی سراغ نہیں ملتا سلطان محمد کے فارسی کلام میں پختگی پائی جاتی ہے - اسکی غزلوں میں عارفانہ اور عاشقانہ رنگ بہت گہرا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ وہ حافظ شیرازی سے بیحد متاثر تھا - اس کی متعدد غزلیں حافظ کی زمین میں ہیں - زیر نظر دیوان کی پہلی غزل ' توحید باری ' دوسری غزل ' مدح شاہ اولیا ' اور تیسری غزل ' ائمۂ معصومین ' کے ذکر میں ہے یہ مسلسل غزلیں ہیں - اس کے بعد بارہ غزلیں اور بارہ رباعیاں ہیں آخر میں حضرت امام حسین کا ایک مرثیہ ہے جس کے ابیات کی تعداد ۶۱ ہے - تاریخ سلطان محمد قطب شاہی میں ظل اللہ کا جو کلام محفوظ ہے اس میں ان غزلوں کے علاوہ آٹھ دس غزلیں زاید ہیں اور مرثیۂ امام حسین کے اشعار کی تعداد ۸۱ ہے - اس میں جملہ ابیات کی تعداد ۲۶۳ ہے یعنی تاریخ سلطان محمد قطب شاہی میں زیر نظر دیوان سے ۸۶ ابیات زیادہ ہیں - حافظ شیرازی کی زمین میں ظل اللہ کی بعض غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کتنی شدت کے ساتھ بادۂ حافظ کا کیف پایا جاتا ہے -

از التفات دلبر عالی مقام ما — گردوں زد است سکۂ شاہی بنام ما

شد پائمال شادی وصلت غم فراق — دوراں چہ خوش کشید ز ہجر انتقام ما

آں خوش سخن کہ وصف قد یار خویش کرد — مسکیں ندیدہ سرو صنوبر خرام ما

لالہ رویاں ز غم دہر نجاتم دادند — وز شراب لب خود آب حیاتم دادند

نشۂ بادہ ز آتش بہ لبم افشاندند — وز طرب خانۂ دل نقل صفاتم دادند

تلخ کامیم شدہ دور کہ شیریں دہناں — از شکر ریزی لب طرفہ نباتم دادند

ہر نفس عشق تو نیرنگ دگر بامن باخت — چوں فلک قطب منش بین چہ ثباتم دادند

کان لعل و گہر و زر بہ تصرف دادیم — تا بہ گنج از پئے تقدیر براتم دادند

لعبتان فلک از فتنہ نجاتم دادند — بہ گلستان ارم تازہ براتم دادند

شعلہ از ہر سر موئے زرہ جوش عجبے — تشنہ لب بودم ازاں سر بہ زکاتم دادند

خوبرویاں کہ شہ ملک لطافت بودند — شکریں بوسہ ازان لب بہ زکاتم دادند

اس کی شاعری میں زبان کی لطافت بندش کی چستی اور انداز بیان کی بے ساختگی پائی جاتی ہے - کہیں کہیں اس کے اشعار میں شاہانہ طمطراق کی جھلک نظر آتی ہے تاہم تغزل کی کیفیت برقرار رہتی ہے -

قرب یارم زعشق و دولت اوست — ایں ہمہ حشمتم ز ہمت اوست

نعمت عشق کم نمی دانم — شرمساری ز حق نعمت اوست

نوبت عشق تا قیامت ہست — اے خوش آں دل کہ تحت رایت اوست

غافل از عشق غالباً گفتہ — ہر کسے پنج روزہ نوبت اوست

گوشہ گیر است ہر شبے خورشید — بسکہ در آرزوئے خلوت اوست

مست از بادہ نیست ظل اللہ — سرخوش از بادہ ہائے صحبت اوست

کار من و دل ہمیں بہ یار است — ما را بہ کسے دگر چہ کار است
ہر دست بدامنے است در خور — دست من و دامن نگار است
اے دوست بہ اعتماد لطفت — بے وعدہ مرا صد انتظار است
ہر چند بہ چار حد گردوں — ہر سو نگریم کارزار است

آبروئے ما اگر برخاک راہ دوست ریخت — خاک پایش دستگاہ آبرو خواہیم ساخت
نا اُمیداز خودمکن دل راپس از چندیں اُمید — گرنہ سازی کار او بارے بگو خواہیم ساخت
گفتگوئے زلف او داریم سلطاں درمیاں — زیں نسیم چیں جہانے مشکبو خواہیم ساخت

ایک مسلسل غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں :—

عجب رعنا و زیبائی چہ گویم — بخوبی عالم آرائی چہ گویم
منور از تو گردیدہ است چشمم — تو نور چشم بینائی چہ گویم
بہ فکر ہیچ دانا در نیائی — عجب نازک معمائی چہ گویم
عجب ترایں کہ وصلت عین ہجراست — نہ ازمائی و بامائی چہ گویم

چارۂ تلخ نگاہت لب خنداں کردہ — زہر را نوش لبت چشمۂ حیواں کردہ
آشکارانچہ ز چشمان تو دیدم سہل است — ہرچہ کردہ بمن آں عشوۂ پنہاں کردہ
سرگلگشت چمن نیست بہ عہدت کس را — جلوہ ہائے تو جہاں جملہ گلستاں کردہ
عشق را سہل مگیرید کہ بے خیل سپاہ — اے بسا کشور آباد کہ ویران کردہ

بہ نو روز اگر با تو آسودمے — ہمہ سال وہ وہ چہ خوش بودمے
غمت گر نبودے بہ از زندگی — چرا در غمت عمر فرسودمے
بصد لطف حرف رقیبان تو — شنیدم کہ اے کاش نشنودمے
نبودے رہ عشق اگر شاہ را — چو ظل اللہ این رہ نہ پیمودمے

خصمے چو ہجر برما بگماشتی و رفتی — آئین و رسم یاری بگذاشتی و رفتی
یارب ز بخت و دولت امروز بر سر کیست — آں سایہ کز سر ما برداشتی و رفتی
گفتی کہ از فراقم سلطاں چہ باک دارد — بیدرد ہمچو خویشم پنداشتی و رفتی

یافت وصل تو دلم صدق و صفا را دریاب — اثر مہر نگر فیض وفا را دریاب
می رود جانب گلزار بہ بوئے تو صبا — خیز وگم کردہ رہ بے سرو پا دریاب
رہنمایاں ہمہ در عشق تو رہ گم کردند — اندریں رہ دل بے راہنما را دریاب
سخن از دشمنی مہر فزا می گزرد — حرف سر بستۂ ارباب وفا را دریاب

بتے دارم کہ از لعلش شراب زندگی بارد — ز گلبرگ رخ رنگینش آب زندگی بارد
برافروزد چو رخسار از شراب ناب محبوبی — بمرآت نگاہم آب و تاب زندگی بارد
جبینش زہرہ آسا بر دلم نور بقا باشد — رخش ہر گوشہ عکس ماہتاب زندگی بارد
چو برخیزی ز رُوئے ناز از بالین زیبائی — ز چشمانش ہمہ مستی خواب زندگی بارد
چو ظل اللہ خیال عارضش در دیدہ چوں بندم — بجانم عکس رویش آفتاب زندگی بارد

گاہ در صومعہ گہہ دیر مغاں گردیدم — ہر کجا در طلب دوست تواں گردیدم
پیش ما سود و زیان ہمہ عالم بہ جوے است — گرد عالم نہ پئے سود و زیان گردیدم
مستی عشق ز ما بردہ نہاں کردن راز — آہ اگر دوست بداند کہ چساں گردیدم
پر تو دوست چو تابید بہ ما ظل اللہ — بر ہمہ خلق جہاں نور فشاں گردیدم

نیشے کہ ز مار عشق خوردم بہ جگر — دروے ز فسوں گر و طبیباں چہ اثر
جائے کہ ازاں جا بمن این نیش رسد — آنجا ست مرا دوا و افسون یکسر

محمود چو با ایاز شد گرم نیاز — خوش روشنی یافت ازیں سوز و گداز
بین فیض محبت کہ پس از چندیں قرن — گرم است ہمہ قصۂ محمود و ایاز

تاریخ سلطان محمد قطب شاہی

سلطان محمد قطب شاہ کے عہد میں سلاطین قطب شاہیہ کی ایک ضخیم اور معتبر تاریخ لکھی گئی۔[1] اس تاریخ کے مؤلف کا پتہ نہیں چلتا۔ اس کے آغاز میں ایک طویل دیباچہ ہے لیکن مؤلف[2] نے اس دیباچے میں بھی اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا ہے اور نہ کسی دوسری تاریخ اور تذکرہ میں اس تاریخ کے لکھنے والے کا کوئی حال مذکور ہے قطب شاہی دور کی جتنی تواریخ بعد میں لکھی گئیں ان سب کا پہلا اور معتبر ماخذ یہی کتاب ہے جس میں قطب شاہی خاندان کے پہلے بادشاہ سلطان قلی قطب الملک سے لیکر پانچویں بادشاہ سلطان محمد قطب شاہ کے پانچویں سنہ جلوس یعنی سنہ ۱۰۲۵ھ تک کے واقعات و مہمات کو اختصار و صحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ہر چند کہ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے فن تاریخ کے ضمن میں آتی ہے لیکن اس کا اسلوب بیان تمامتر ادبی ہے۔ جگہ جگہ مؤلف نے کثرت سے اشعار نقل کئے ہیں۔ اور ہر باب کے آخر میں متعلقہ بادشاہ کی علمی، ادبی اور تہذیبی خدمات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ جمشید قلی محمد قلی قطب شاہ اور سلطان محمد قطب شاہ کے فارسی کلام کا معقول انتخاب بھی پیش کیا ہے۔ ان خصوصیات کے پیش نظر اس کتاب کو ایک عمدہ ادبی کتاب بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ دیباچے میں مؤلف نے بتایا ہے کہ فرمانروائے

۱۔ «تاریخ سلطان محمد قطب شاہی»۔ قلمی نسخہ سالار جنگ لائبریری فن تاریخ ۸۵، ۔ اوراق ۳۱۳ مسطر ۱۷ سطری خط شکستہ عمدہ

۲۔ «داستان ادب اردو» میں ڈاکٹر زور نے اس تاریخ کے مؤلف کا نام ملا عبد الحکیم بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ «ملا عبد الحکیم نے عالم آرائے عباسی کے طرز پر سلاطین قطبیہ کی ایک تاریخ نہایت فصیح و بلیغ فارسی میں لکھی جو ایک مقدمہ چار ابواب ایک خاتمہ پر مشتمل ہے»

گولکنڈہ سلطان محمد قطب شاہ کے ایما و فرمایش پر اُس نے اس کتاب کی تالیف کا عزم کیا ہے - آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ :—

« به ایجاز و اختصار تاریخ آبا و اجداد آن عالی مقدار که سابقاً یکے از چاکران این درگاه در ضوابط احوال ایشاں نوشته بود و بعضے تطویل داشت که آنرا به تاریخ چنداں نسبتے نبود ما مور گشت » [1] اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے که اس سے قبل بھی سلطان محمد ہی کے عہد میں کسی درباری مؤرخ نے قطب

[1] - اب اس مفصل تاریخ کا پتہ چلانا مشکل ہے جس سے یہ کتاب ماخوذ ہے - بعض محققین کا خیال ہے کے یہ « تاریخ خود شاہ » کا اقتباس ہے جو ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں لکھی گئ تھی - بعض کسی اور کتاب کو اس کا ماخذ قرار دیتے ہیں جو امتداد زمانہ کے باعث نا پید ہوگئ ہے اس کتاب کے تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی ایک کتاب کا اختصار نہیں ہے بلکہ مؤلف کے پیش نظر متعدد کتابیں تھیں - چنانچہ بعض مقامات پر تاریخ محمود شاہی اور مرغوب القلوب کے حوالے بھی نظر آتے ہیں ان میں سے پہلی کتاب ملا عبد الکریم ہمدانی نے محمود شاہ بہمنی کے عہد میں لکھی تھی - دوسری کتاب صدر جہاں ملا حسین الطبسی نے ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں تصنیف کی تھی - جس کا ذکر اوپر آچکا ہے - محمد قطب شاہ کے آخری عہد میں قطب شاہی خاندان کی ایک اور تاریخ ، مآثر قطب شاہی ، لکھی گئ جسکے مؤلف کا نام محمد بن عبد اللہ نیشا پوری ہے - جو محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں ولایت سے آکر شاہی ملازمت میں داخل ہوا تھا - اس نے اپنی کتاب میں سلطان محمد قطب شاہ کی وفات تک کے حالات تحریر کئے ہیں - اس کے ضمن میں سلاطین معاصر اور خصوصاً سلاطین صفویہ کے حالات زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کئے ہیں - اس میں واقعات ایران کی آخری تاریخ سنہ ١٠٣٨ھ مذکور ہے - یہ وہ زمانہ ہے جبکہ شاہ عباس ثانی نے انتقال کیا اور شاہ صفی اس کا جانشین ہوا اسکی تین جلدیں ہیں اور ہر جلد کو چار چار مقالات پر منقسم کیا ہے - اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے (عمادیہ صفحہ ٥٢)

شاہیوں کی کوئی مفصل تاریخ مرتب کی تھی اور تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کے مؤلف کے پیش نظر وہی کتاب اپنی تالیف کے ماخذ کی حیثیت سے موجود تھی - چنانچہ اس تاریخ سے استفادہ کرتے ہوے تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کے مؤلف نے اپنی کتاب کو ایجاز و اختصار کے ساتھ اپنے خاص انداز بیان میں قلمبند کیا اور اس کے علاوہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیر نظر تاریخ کے مؤلف کے آگے قطب شاہیوں کی اس منظوم تاریخ کا بھی کوئی نسخہ تھا ، جو محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں لکھی گئی تھی - اس قیاس آرائی کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ محمد قطب شاہی میں مختلف تاریخی واقعات اور مہمات سلطنت کے ذکر میں مؤلف نے جگہ جگہ جو اشعار نقل کئے ہیں وہ اسی منظوم تاریخ کے اشعار معلوم ہوتے ہیں - مثلاً سلطان قلی قطب الملک کے جلوس کے ذکر میں وہ ان اشعار کو نقل کرتا ہے -

تو ئی از پدر بر پدر پاد شاہ   تر از یبد این بخت و تخت و کلاہ
اگر بر نشیني تو بر تخت و گاہ   بسر بر نہی خسروانی کلاہ
براہ تو ما جاں سپاری کینم   وفاے ترا حق گزاری کینم
اشارہ ز تو جانفشانی زما   ز تو خسروی پہلوانی زما

قلعہ پانگل کی فتح کے بیان میں :—

کہ حفظ الہی نگہبان تست   جہاں از کراں تا کراں آن تست

تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کی عبارت کے چند نمونے یہاں پیش کئے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ اس کا مؤلف صرف ایک مؤرخ ہی نہیں بلکہ ایک صاحب طرز انشا پرداز بھی تھا - شاہ میر کی دختر کی شادی کے بیان میں لکھتا ہے کہ :—

« بسط زمین از کثرت فرش کسوت و دیبا مانند سپهر مینا شد و بساط کوچه و بازار از تجلی و زینت و بهار و نعمت ہاے عجب ، حیرت افزاے عقل دانا گشت و مجالس جشن به نوعے آراسته شد که سپهر ، باهزاران دیدۂ چشم نظارۂ آن کشاده ، جواهر انجم را که سالها در جیب و دامن خویش محافظت می نمود بر طبق سیمیں خاصه نهاده بر سم نثار پیش آورده ، طوائف و مغنیاں و مطرباں حاضر گردیده ابواب بهجت و سرور کشاده شد و مجالس خرمی بسان بهشت بر این آرائش یافته اسباب عیش و عشرت مهیا و آمده گشت - ساقیاں بسان نرگس ساغر زرین ، بر دست سیمیں نهاده اقداح مئے ناب چوں قمر در منازل خویش بگردش در آورند و از فروغ آتش رخسار آبروئی گل سوری بر خاک خجلت و انفعال ریختند - گاه از رشک ماہے رخسار شاں خورشید فلک پیما چوں شفق چهره بخون دیده می شست و گاه از غصه خورشید جمال شاں ماه سبز قبا به سان صبح خرقه وجود چاک می زد و دراں ہنگام فرخ انجام که از جامۂ نشاط چهرۂ روزگار بر افروخته و از آتش صهبا خرمن غموم سوخته بود - داناياں اصطرلاب فلکی و دقیقه شناسان تقویم آسمانی ساعتے که زهرۂ از هزار با مشتری سعادت گستر که سعد اکبر است نظر محبت پرور موانست و مواصلت از جهت انتظام درشهوار درج سیادت و عصمت در سلک از دواج و اقتران آن خورشید برج سلطنت و خلافت اختیار نمودند » -

پوری کتاب کا انداز نگارش ایسا ہی ہے - تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کا مؤلف (ورق ۲۳۶ ا و ب) بنائے شهر حیدر آباد کے ضمن میں لکھتا ہے که :—

همگی خاطر قدسی مآثر خاقان زمان مائل آں بود که شهرے دیگر احوال فرماید - روزے به عزم سیر و شکار — به جستجوے صید در ہرجہتے صبا کردار طواف می نمودند تاگاه به مساعدت بخت رہنموں در اثناے سر گذر موکب فیروزی اثر به صحراے افتاد که در وسعت و خضارت صفا و لطافت رشک فلک اخضر و فردوس بریں بود - و زمینش چوں گیسوئے ماہرویاں دلاویز و چوں چهرۂ سیم براں طرب انگیز —

لطیف و دلکشا آب و ہوائے   مبارک منزلے فرخنده جائے

و درمیان این مرغزار جنت آثار نهرے آب چوں چشمۂ حیات رواں و مانند سلسبیل بهشت روح افزا . . . و بستان لطافت آں سر زمین شهریار جهاں را خوش آمده به خاطر انور گذرانید که به جهت بناے شهر مکانے بر فیض تر ازیں سر زمیں نه خواهد برد . . . »

به عزم تسخیر قلعه کنبوه :—   (ورق ۲۴۱ ا ب)

ز بس تیر و تیغ از کف فتنه ریخت   زهم رشتۂ روز و شب بر گسیخت
به جنبش در آمد دو دریاے خوں   شد از موج آتش ز میں لاله گوں
ز پولاد پوشان لشکر شکن   تن کوه لرزید بر خویشتن
دو لشکر بیک دیگر آمیختند   ز گیتی قیامت بر انگیختند
نبرد آزمایان دشمن شکار   رخ کیں نهادند سوئے حصار
سپر بر سپر دوش بر دوش هم   دو بدند شیراں قدم بر قدم

سلطان قلی کے فرزند ابراہیم کے تولد کا حال اس طرح لکھا ہے :—

« در ماه شوال سنه ستة و ثلا ثین و تسعماة که غره شهر کشور ستانی بود آن شهریار نامدار در بلدۂ سعادت آثار گلکونده دیدۂ دولت بنور ظلمت فرخندۂ فرزندے روشن گشت -

ملک را خدا داد فرزند نو   رخ او ز خورشید برده گرو
یکے غنچه از باغ دولت دمید   کزاں سان گل چشم گیتی ندید »

باد شاه نے منجموں اور اختر شناسوں کو حکم دیا که اس نو مولود شاہزاده کا زائچه کھینچیں پھر منجموں نے نہایت غور و تامل کے بعد ان اشعار میں شہزادۂ ابراہیم کے تعلق سے پیش گوئی کی -

اسد طالع اوست با آفتاب بخواہد شدن خسرو کامیاب
بخواہند گاں گر شہے زر دہد بجائے زر او شہر و کشور دہد
بہر جا که قہرش فرستہ سپاہ بگیرد بر آن خصم اجل پیش راہ
یگانہ است درہوش و تدبیر و رائے مسمی به اسم خلیلش نمائے

ان اشعار کے مطالعہ سے دو ہی نتیجے نکالے جاسکتے ہیں - ایک تو یہ کہ تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کا مؤلف خود ایک اعلی درجہ کا شاعر تھا اور اس نے تاریخ کے خشک واقعات کو جا بجا اپنے بر محل اشعار سے رنگین بنا دیا ہے - یا پھر قطب شاہی بادشاہوں کی وہ منظوم تاریخ جو سلطان محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں لکھی گئی تھی اس کے پیش نظر تھی اور اس نے حسب ضرورت اس نظم کے اشعار کو اپنی تالیف میں نقل کرلیا ہے لیکن چونکہ « نسب نامہ » کا مکمل نسخہ ہمارے سامنے نہیں ہے امر لئے فرسی کے اشعار سے ان اشعار کو ملا کر نہیں دیکھا جاسکتا -

تاریخ سلطان محمد قطب شاہی کے مؤلف نے اس تاریخ کو ایک مقدمہ ، چار مقالوں اور ایک خاتمہ پر منقسم کیا ہے مقدمہ میں قطب شاہی خاندان کے مورث اعلی قرا یوسف ترکمان اور اس کے خاندان کا مختصر احوال بیان کیا گیا ہے پہلا مقالہ قطب شاہی سلطنت کے بانی اور پہلے فرمانروا سلطان قلی قطب الملک کے حالات پر مشتمل ہے دوسرے مقالہ میں جمشید قلی قطب الملک اور اس کے کمسن بیٹے سبحان قلی کا احوال مذکور ہے تیسرا مقالہ ابراہیم قطب شاہ کے حالات و مہمات سے متعلق ہے - اور چوتھے مقالہ میں محمد قلی قطب شاہ کے عہد کی تاریخ لکھی گئی ہے اور خاتمہ کا باب مؤلف کے ممدوح فرمانروا سلطان محمد قطب شاہ کے دور کے ابتدائی پانچ سال کی تاریخی تفصیلات پر مشتمل ہے - اس تاریخ کا سنہ تالیف سنہ ۱۰۲۵ ھ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مؤلف نے سلطان محمد کے صرف پانچ سال کے دور

حکومت کی روئیداد بیان کی ہے - غالباً سنہ ۱۰۲۵ ھ میں مؤلف کا انتقال ہو گیا اس لئے یہ تاریخ اس کے آگے نہیں لکھی جاسکی - اس کتاب کے آخر میں « خاتمۂ کتاب » کے زیر عنوان حیدر آباد کی تعریف میں (۲۱) اشعار کی ایک نظم درج کیگئی ہے یہ وہی نظم ہے جو مراد اصفہانی کے قصۂ امیر حمزہ کے دیباچہ میں ملتی ہے -

(اس نظم کو ہم نے مراد اصفہانی کے بیان کے ضمن میں من و عن نقل کردیا ہے)

حسینی الحسینی الطبسی

شکار نامہ[1] ـــ سلطان محمد قلی قطب شاہ کو شعر و شاعری سے زیادہ علم و حکمت سے دلچسپی تھی۔اس کے عہد میں فارسی نظم سے زیادہ فارسی نثر کو فروغ حاصل ہوا ۔ خصوصاً مذہبی لٹریچر کی جانب اس نے بہت زیاد توجہ کی ۔ مذہبی موضوعات پر خود اس نے کئی کتابیں لکھیں اور دوسرے ارباب علم و فضل سے کئی کتابیں لکھوائیں ۔

اس کے عہد کے علما میں ایک صاحب کمال حسینی الحسینی الطبسی گذرا ہے جسے بادشاہ نے لسان غیب اور حیدر جہاں کا خطاب دیا تھا ۔ سلطان محمد نے اس سے فرمائش کی کہ شکار کے مسئلہ پر مذہبی نقطۂ نظر سے ایک کتاب مرتب کرے چنانچہ حسین الحسینی نے ' شکار نامہ ' کے عنوان سے ایک نہایت ہی دلچسپ معلومات آفریں ضخیم کتاب تالیف کی ۔ اس کتاب کے دیباچے میں مؤلف لکھتا ہے ۔

---

۱ ۔ حکیم سید شمس اللہ قادری نے اپنی تالیف « عماریہ » صفحہ ۲۵ میں لکھا ہے کہ :—

« صدر جہاں ملا حسین الطبسی » کا ذکر اس سے قبل سلطان قلی قطب شاہ کے حالات میں آگیا ہے ۔ سلطان ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں بھی صدارت کا عہدہ اُنہیں سے وابستہ تھا ۔ اُنہوں نے سلطان ابراہیم کی فرمایش سے ' صید و صیاد ' کے آداب و احکام پر ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام ' صیدیہ ' رکھا عام طور پر اسکو ' شکار نامۂ قطب شاہی ' کہتے ہیں ۔ یہ کتاب ۹۸۳ ھ میں تمام ہوئی ۔ « شکار نامہ » کا ایک نادر قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں نمبر ۴۰۵۵ پر محفوظ ہے ۔

« ابو المظفر ہمایون اعظم قطب شاہ کی فرمایش پر یہ کتاب لکھی گئی ہے اور اُسی کے نام پر اسے معنون کیا جاتا ہے » ۔

حسینی الحسینی کی یہ تالیف ایک مقدمہ ، دس ابواب اور خاتمے پر مشتمل ہے ۔ مقدمہ کا عنوان ہے « مقدمہ در بیان تحقیق لفظ و معنی کلمہ صید و اثبات جواز و اباحت آن » مؤلف نے کتاب کے دس ابواب کو حسب ذیل دس عنوانوں میں تقسیم کیا ہے ۔

(۱) باب اول در شرط صید و ذبح (۲) باب دوم در بیان آلت اصطیاد و ذبح (۳) باب سوم در ذکر تسمیہ و کیفیت کشتن و ذکر آنکہ واجب است یا مستحب (٤) باب چہارم در ذکر حیوانات و طیورے بدان کہ شکاری می کنند (۵) باب پنجم در ذکر صید کردن بہ تیر و شمشیر و نیزہ و باقی آلات تیز جراحت کنندہ (٦) باب ششم در ذکر صید ماہی و طریق تزکیہ آں و آنکہ کدام جنس از ماہی حرام است و کدام حلال (۷) باب ہفتم در بیان آنکہ صید و شکار بچہ نوع ملک صیاد می گردد (۸) باب ہشتم در بیان مسائل ذبح و مسخر کردن حیوانات و طیور ۔ (۹) باب نہم در حلیت و حرمت حیوانات و طیور (۱۰) باب دہم در احکام سور و عرق و لعاب دہن حیوانات ۔ ان عنوانات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے کتاب کی نوعیت کا اندازہ ہوسکتا ہے ۔ کتاب کا خاتمہ اس عنوان پر مشتمل ہے ۔ « در بیان آسامی و احکام حلیت و حرمت و کراہت حیوانات و طیور و حشرات و بعضے از خواص و غرائب » ہر چند کہ کتاب میں شکار کے تعلق سے مذہبی احکام بیان کئے گئے ہیں لیکن اسی کے ساتھ شکار کے قانونی اُصول اور طریقوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے ۔ مذہبی احکام کے بیان میں مذہب امامیہ کے علاوہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور امام مالک کے حوالے بھی دئے گئے ہیں ۔ دیباچے میں کہیں کہیں امام شافعی کے اقوال بھی درج کئے گئے ہیں ۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حسینی الحسینی کو علم حیوانات پر بھی عبور حاصل تھا ، خصوصاً اس کا خاتمہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس حصہ میں مؤلف نے حروف تہجی کی

ترتیب کے ساتھ شکار کئے جانے والے تمام جانوروں ، پرندوں اور مچھلیوں کی ایک طویل فہرست شامل کردی ہے اور یہی نہیں بلکہ جانوروں ، پرندوں اور مچھلیوں کے ناموں کی یہ فہرست عربی ، فارسی اور دکھنی اُردو تین زبانوں میں مرتب کی ہے اور پھر ان جانوروں ، پرندوں اور مچھلیوں کی خصوصیات بیان کی ہیں اور ان سے متعلق جو دلچسپ اور عجیب و غریب قصے مشہور چلے آتے ہیں اُنھیں بھی بیان کیا ہے جسکی بدولت ، شکار نامہ ، محض ایک مذہبی کتاب نہیں رہی بلکہ اسے حسینی الحسینی کا ایک علمی و ادبی کارنامہ بھی سمجھا جاسکتا ہے ۔

ادائی یزدی

میر محمد مومن ادائی یزدی کا تعلق سادات یزد سے تھا ۔ تمام تذکرے اس امر پر متفق ہیں کہ علوم حکمیہ اور مسائل فلسفہ میں اسے مہارت تامہ حاصل تھی ۔ [1] وہ ایک آزاد مشرب شاعر اور روشن ضمیر مفکر تھا ۔ علمائے ظاہر نے اسکے خیالات کو الحاد و دہریت کی طرف منسوب کیا ۔ آخر تنگ آکر اوسط عمر میں عازم ہند ہوا پہلے بندر سورت میں سکونت اختیار کی اور پھر ۱۰۳۰ھ یا ۱۰۳۱ھ میں حیدرآباد پہنچا میر مومن استرآبادی کے توسط سے دربار میں رسائی حاصل کی اور بادشاہ وقت سلطان محمد قطب شاہ نے اسے منصب عمدہ پر مقرر کردیا ۔ آخر عمر تک حیدرآباد ہی میں رہا اور اسی سرزمین میں پیوند

---

۱ ۔ « تذکرۂ شعرا » طاہر نصرآبادی ورق ۱۶۲ ب

« نتائج الافکار » صفحہ ۳۰ « سرو آزاد » صفحہ ۵۴

« ریاض العارفین » صفحہ ۲۵۸ « محبوب الزمن » صفحہ ۱۷۸

« عمادیہ » کے مؤلف نے بھی بعض تذکروں کے حوالے سے ادائی کی حیدرآباد میں آمد کا زمانہ سنہ ۱۰۳۰ھ قرار دیا ہے صاحب « ریاض الشعرا » نے اسے ایک زبردست صاحب عرفان شاعر قرار دیا ہے اور طاہر نصرآبادی نے « تذکرۂ شعرا » (ورق ۱۶۲) میں لکھا ہے کہ ادا بندی میں اسے کمال حاصل تھا ، اور اس کا کلام فصیح اور سوز و گداز سے لبریز ہوتا ہے ۔ « عمادیہ » کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ادائی یزدی ایک متقی و پرہیزگار انسان تھا ۔ ہمیشہ روزہ رکھتا اور نان جو سے افطار کیا کرتا ۔ محمد قطب شاہ کی وفات سنہ ۱۰۳۵ھ کے بعد گولکنڈہ چھوڑ دیا ۔ وہاں سے گجرات پہنچا اور سورت میں انتقال کیا ۔

خاک ہوا ، محبوب الزمن ، کے مؤلف نے لکھا ہیکہ « ادائی یزدی حیدرآباد آیا اور محمد قلی قطب شاہ کی خدمت میں باریاب ہوا مدت العمر گولکنڈہ میں خوش و خرم رہا آخر سنہ ۱۰۳۰ھ میں یہیں فوت ہوا ۔ » لیکن صاحب محبوب الزمن کا یہ بیان محل نظر ہے ۔ ، نتائج الافکار ، کے مؤلف نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ :—

« درد یار خود به سبب اختلاف آرا یارانے اقامت ندیده سرے به ہند کشید و در سنه ثلثین و الف فائز دکن گشته » ، سرو آزاد ، کے بیان سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ ادائی یزدی سنہ ۱۰۳۰ھ یا سنہ ۱۰۳۱ھ میں دکن آیا تھا ۔ میر مومن استرآبادی اس وقت بھی پیشوائی کے معزز عہدہ پر فائز تھے اس لئے ان کے توسط سے بادشاہ کے دربار میں ادائی کی رسائی اور منصب عمدہ پر سرفرازی کا واقعہ درست معلوم ہوتا ہے ۔ بہر حال ادائی کا سلطان محمد قطب شاہ کے زمانہ میں سنہ ۱۰۳۰ھ یا سنہ ۱۰۳۱ھ کے لگ بھگ حیدرآباد آنا مسلم ہے لیکن یہ نہیں پتہ چلتا کہ حیدرآباد میں اُسے کس منصب یا عہدہ پر سرفراز کیا گیا اور وہ کب تک زندہ رہا ۔ جس وقت وہ حیدرآباد میں تھا اس کی عمر کیا تھی اور اس نے حیدرآباد میں فارسی شعر و ادب کی کیا خدمات انجام دیں ۔ فارسی کے متعدد تذکرہ نگاروں نے اسے ایک فصیح البیان شاعر بتایا ہے اور بعض تذکروں میں اس کے نام کے ساتھ علیہ الرحمۃ کا اضافہ ہے لیکن آج اسکا کلام ناپید ہے ۔ تذکرہ نگاروں نے اس کے ذکر کے ضمن میں جو چند اشعار نقل کئے ہیں ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی وہ ایک شیوہ زبان اور فصیح البیان شاعر تھا اسکے ان اشعار میں زبان کی پختگی ، انداز بیان کی دلکشی اوو فکر و نظر کی معنی رسی کے جوہر پائے جاتے ہیں ۔ ملاحظہ ہو :—

یک دل آزاد دریں دامگہ فانی نیست
یوسفے نیست دریں مصر کہ زندانی نیست
بے روئے تو روزے کہ رہم در چمن افتد
دیوار بہ از سایہ کہ برروئے من افتد

ز شوق نامه نویسم ز رشک پاره کنم
دلے که نیست تسلی در و چه چاره کنم
ز راه کودک بیدل چناں نمی ترسد
که من ز دیدن این زندگاں هراسانم
هر که آمد نظرے کرد و خریدار نه شد
گوئی آئینهٔ آویخته در بازارم

رباعیات :—

ایں عمر به باد نو بهاراں ماند ایں عیش به سیل کوهساراں ماند
ز نهار چناں بزی که بعد از مردن انگشت گزیدنی به یاراں ماند

تا در مدینه جسمت شده جاں دین توگرفت قاف در قاف جهاں
در لفظ مدینهٔ کز اعجاز تو مه شق شده و گرفت مه را به میاں

مجد الدین محمد

میر محمد مومن کے اکلوتے فرزند میر مجد الدین محمد سنہ ۹۹۵یا۹۹۶ ھ میں حیدر آباد میں پیدا ہوے میر صاحب نے مجد الدین کی تعلیم و تر بیت کی جانب خاص توجہ کی ، ان کے حالات زندگی پردۂ گمنامی میں ہیں صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ علم و فضل کے لحاظ سے وہ اپنے معاصرین میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے دنیوی اغراض کا ان میں شائبہ تک نہ تھا ۔ شاید اسی لئے انھوں نے کوئی عہدہ یا منصب قبول نہیں کیا ۔ حدائق السلاطین [1] کے مؤلف نے میر مجد الدین کے بیان میں لکھا ہیکہ ۔ « دنیا و ما فیہا نش در نظر ہمتش بس حقیر می نمود » انھوں نے اپنے آپ کو خلق خدا کی خدمت کیلئے وقف کردیا تھا۔ صاحب حدایق کا بیان ہیکہ « بو فور جور و سخا وشفقت و وفا شہرۂ شہر دکن بود »

مجد الدین نے اپنے والد میرمحمد مومن کی زندگی ہی میں وفات پائی انتقال کے وقت ۲۲ ربیع الاول سنہ ۱۰۳٤ ھ کو ان کی عمر ٤۰ سال سے زیادہ نہیں تھی ۔ میر محمد مومن اپنے لائق اور اکلوتے بیٹے کی اس جواں مرگی کے صدمۂ جانکاہ کو برداشت نہ کرسکے اور مجد الدین کی وفات کے ٹھیک ٤۰ دن بعد وہ بھی اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے ۔ مرزا حسن الدین خان نے مجد الدین کی وفات پر حسب ذیل قطعہ تاریخ لکھا ۔

مجد دین آنکہ نزد اہل خرد — دو جہاں سایہ بود او خورشید
بہ گدائے اجل شب جمعہ — گوہر عمر جاوداں بخشید
بہر تاریخ او سپہر برین — داغ بر دل نہاد و آہ کشید

---

۱ ۔ حدائق السلاطین ورق ۱۹۱ الف
مجد الدین کے پسماندگان میں ایک لڑکی اور تین لڑکے تھے ۔ لڑکی انکی پہلی اولاد تھی جسکی شادی مرزا حمزہ استرآبادی سے ہوئی ۔

رخت گراین قدر زیبا نه باشد — مرا حال این چنیں رسوا نه باشد
مرا سودائے عشق تست گویند — نمی گویند چیزے تا نه باشد

به دہر غیر تو شاہ دگر نمی دانم — بجز در تو پناہ دگر نمی دانم
جز آن نگاہ کہ افگندم از ازل برخت — بدیدنت کہ نگاہ دگر نمی دانم
خیال وصل تو بادا حرامم — اگر یک لحظہ بے یاد تو باشم
چو بکشائی تو سیم اندام اندام — نماند ایں دل آرام آرام
شدم رسوائے دہر از صحبت دل — بود ہم صحبت بدنام ، بدنام
ز گردوں کام دل ہرگز نجویم — کرا داد است این خود کام خود کام
بگفتا از لب شیرینیم امجد — چہ خواہی گفتمش دشنام دشنام

لب شوق از تکلف بستہ ام با این ہمہ مستی
کہ در بزم محبت خامشی بسیار می زیبد

بہ گفتار تو جائز آشنائی — ز رخسارت جہاں را روشنائی
تعالی اللہ چہ حسنست این کہ خوباں — پرستندت بعنوان خدائی
مجددیں در گرم رفتاری شوق — کمتر از خور شید عالم گرد نیست
بلبل چوں صبا گل بہ گریبان ہوس کرد — مرغ دل مابود کہ آہنگ قفس کرد
اے رہرو امید بیندیش کہ مارا — سرگشتۂ این بادیہ آواز جرس کرد
ای داغ بود سوز دل اہل محبت — در کشور ما شعلہ نگہبانی خس کرد
پر شدم بس گز خیال خوبروئے تازۂ — می تراود از خیالم گفتگوئے تازۂ
التفات خاص او نازم کہ ازبس عام شد — آرزو ہر لحظہ دارد آرزوئے تازۂ

مراد اصفہانی

سلطان محمد قطب شاہ نے جس سال تخت سلطنت پر جلوس فرمایا (سنہ ۱۰۲۰ ھ) اسی سال اصفہان کے ایک نو وارد شاعر سید مراد اصفہانی کو حکم دیا کہ حضرت امیر حمزہ کے سوانح و حالات پر مشتمل ایک مثنوی قلمبند کرے چنانچہ سید مراد نے « قصۂ امیر حمزہ »[1] کے نام سے ایک مثنوی تصنیف کی جس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے - مراد نے سنہ ۱۰۲۱ ھ ہی میں اس مثنوی کو مکمل کرلیا - قطب شاہی سلطنت کے پایۂ تخت شہر حیدر آباد پر بھی مراد نے فارسی میں ایک اچھی نظم لکھی ہے جسے اس نے « قصۂ امیر حمزہ » کے دیباچہ میں شامل کیا ہے - اس نظم میں مراد نے حیدر آباد کی خوبی و دلکشی کی بہت خوبصورت تصویر کھینچی ہے - شہر حیدر آباد کی تعریف میں یہ سب سے پہلی نظم ہے جو اس شہر کی بنا رکھنے کے سترہ سال بعد لکھی گئی - سترہ سال کی مختصر سی مدت میں حیدر آباد نے تعمیر و آرائش کے اعتبار سے جو زبردست ترقی کی تھی اس کا کچھ اندازہ اس نظم کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے - اس لئے ہم یہاں مراد اصفہانی کی اس نظم کو من و عن نقل کرتے ہیں :

خجستہ فضائے بہشت انبساط — طرب خیز عشرت گہ پر نشاط
بہ آب و ہوا اعتدال بہشت — درو بودہ ہر ماہ اُردی بہشت

---

۱ - مرزا محمد حاجی ہمدانی ایک قصہ خواں سنہ ۱۰۲۲ ھ میں عراق سے حیدرآباد آئے اُنہوں محمد قطب شاہ کے لئے امیر حمزہ کی داستان کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اُسے « زبدۃ الرموز » کے نام سے موسوم کیا « عمادیہ » صفحہ ۵۳

به ہر سو رواں چشمۂ ہمچو نوش — دل خاکش از آب حیواں بجوش

گوارا بہ ہر طبع چوں شہد و شیر — موافق بہ ہر ذوق لذت پذیر

بہیں انتخابے ز مصر و دمشق — خوش آئیں بنائے ہمہ حسن و عشق

مصقل در و بام و کاشانہا — شدہ جا نہا آئینہ خانہا

زہر طاقش از طاق کسری نشاں — بہر منظرے قصر نو شیرواں

نمودار ہر شہر و ہر کشورے — نشان دادہ ہر قصرش از قیصرے

بہ بازار و شہرش بہ ہر شہر بہر — ہمہ رونق کوی و بازار و شہر

دہد دستہ دستہ گل از آسماں — منارش بہ گلدستۂ اصفہاں

ہمہ باغ و بستاں جہاں تا جہاں — ز باغش یکے نقش نقش جہاں

کز و بردہ صحرا ؤ گھہ دامنش — ز فردوس شیراز و از گلبنش

نمودہ زہر منظر و پیش و طاق — شمال خراساں نسیم عراق

رصد بند تبریز ہر خانہ اش — چو کاشاں بہ ہر کنج کاشانہ اش

ز شروان و از کنج دارد فراغ — بسے گنجہ این گنج را در سراغ

نشاپور در فیض در یوزہ اش — شدہ خاک این خاک فیروزہ اش

ز معموریش شط بغداد مات — بسر چشمہ اش تشنہ شط فرات

ز کشمیر و تخت سلیماں نشاں — ولے خالی آن تخت ایں شرقشان

فروزاں از و چشم حور و ملک — سوادش بہ چشم جہاں مرد مش

مہندس مثالش نیفگندہ پے — چہ در مصر و شام و چہ در روم ورے

صالی اردستانی

صاحب[1] «محبوب الزمن» کے بیان کے بموجب فارسی کا ایک نامور شاعر صالی اردستانی بھی سلطان محمد قطب شاہ کے عہد میں حیدرآباد آیا، شاہ نے اسے اپنے متوسلین میں شامل کرلیا زمانہ دراز تک عزت و آبرو کی زندگی بسر کی۔ صاحب دیوان تھا۔ اس کا دیوان نادر الوجود ہے۔ اس کا ایک شعر ہے —

خوش آن رہ رو کہ تنہا می سپارد — کہ تنہائی پس از اُفتادن ندارد

عشرتی یزدی

ایک اور فارسی شاعر جس کا تخلص عشرتی[2] تھا اپنے وطن سے محمد قطب شاہ کے عہد میں حیدرآباد آیا عشرتی کا تعلق سادات یزد سے تھا۔ میر مومن استرآبادی نے اسکی سرپرستی کی اور آخر عمر تک وہ حیدرآباد میں خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ وہ خوش نویسی کے فن میں بھی طاق تھا۔ خط نستعلیق کا اُستاد تھا عین عالم شباب میں جبکہ اسکی عمر صرف ۳۰ برس کی تھی وفات پائی تذکرہ محبوب الزمن نے اس کا سنہ وفات ۱۰۳۷ھ بتایا ہے اس کے چند شعر یہ ہیں۔

دوستاں در بوستاں چوں عزم مے خوردن کنید — اول از یاران دور افتادہ یاد من کنید

اس کی ایک مسلسل غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں:—

مقصد ز کاخ و صفہ و ایواں نگاشتن — کاشانہائے سر بفلک بر فراشتن

گلہائے رنگ رنگ و درختان میوہ دار — در باغ و بوستاں ز سر شوق کاشتن

دانی کہ چیست تا بمراد دل اندر آں — یک لحظہ دوستی بتواں شاد داشتن

ورنہ چگونہ مردم عاقل نبا کنند — از خاک خانۂ کہ بہ باید گذاشتن

۱ - تذکرہ محبوب الزمن صفحہ ۶۱۲ صبح گلشن صفحہ ۲۴۴

۲ - تذکرہ محبوب الزمن صفحہ ۷۷۸ صبح گلشن صفحہ ۲۸۶

کوکبی

سلطان محمد قطب شاہ کے دور کے فارسی شاعروں میں کوکبی تخلص کے ایک شاعر کا بھی پتہ چلتا ہے اس کا نام قباد بیگ اور تخلص کوکبی تھا۔ طاہر نصرآبادی[1] نے اپنے «تذکرۂ شعرا» میں کوکبی کے متعلق صرف یہ الفاظ لکھے ہیں «کوکبی — نامش قباد بیگ۔ از اتراک است در حیدرآباد بودہ است» تذکرۂ محبوب الزمن[2] کے مؤلف نے لکھا ہے کہ «کوکبی علم و فن کے زیور سے آراستہ تھا زمانۂ دراز تک شاہ عباس صفوی اول کی ملازمت میں رہا۔ آخر ایران سے حیدرآباد آیا سلطان محمد قطب شاہ کے دربار میں باریاب ہوا۔ بادشاہ نے اسکی بہت خاطر مدارت کی اور اس کو صیغۂ منصب میں مامور فرمایا۔ کوکبی بہ سبب عنایت قطب شاہ حیدرآباد میں متوطن ہوگیا سنہ ۱۰۳۳ھ تک زندہ رہا۔ اواخر سنہ ۱۰۳۳ھ میں انتقال کیا۔ میر کے دائرہ میں مدفون ہوا موزوں طبع تھا اور کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ کوکبی کے چند اشعار بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں —

بے حاصلی ز ہر دو جہاں حاصل من است

خلوت گہہ محبت در دل من است

با کائنات کردم ازاں دوستی کہ یار

در ہر دلے کہ جلوہ کند در دل من است

---

۱ ۔ تذکرۂ شعرا از طاہر نصرآبادی نمبر ۱۰۸۳ ۔ سالار جنگ لائبریری مخطوطات نمبر ۱۰۸۳ ورق ۱۳۱ ب

۲ ۔ محبوب الزمن ۔ مطبوعات سالار جنگ لائبریری

ز خندۂ تو بدل لذتے نہاں دارم
کہ ہمچو بستۂ دل خویش در دہاں دارم

چو در کنج قفس میرم بسوزیدم مگر روزے
بہ امداد صبا خاکسترم راہ چمن گردد

ہر چہ ہم رنگ بہ معشوق بود معشوق است
نقص عشق است کہ پروانہ بہ مہتاب نسوخت

شاہ قاضی

محمد الشہیر بہ قاضی ایک بڑے عالم اور میر محمد مومن استرآبادی کے شاگرد تھے انہوں نے سلطان محمد قطب شاہ کے حکم سے سنہ ۱۰۲۹ھ میں عربی کی ایک نایاب کتاب «کثیر المیامن»[1] کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس ترجمے کے آغاز میں سلطان محمد قطب شاہ کی تعریف میں شاہ قاضی نے ایک قصیدہ لکھا ہے۔ جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس پایہ کا شاعر تھا

خدیو دہر محمد کہ از خدا ست موئد ظہیر ملت احلت احمد امیر ملک ستانی

شہ سریر ریاست مہ سپہر جلالت بدست و تیغ عدالت گرفتہ ملک کیانی

فلک کمینہ غلامش جہاں ہمیشہ بکامش قضا نوشتہ بنامش ریاست دو جہانی

علی گل استرآبادی

علی گل استرآبادی سادات استرآباد سے تھا۔ وطن میں کتب درسیہ سے فارغ ہوکر طلبا کو درس دینے کا پیشہ اختیار کیا شعر و شاعری میں اُستاد

---

۱ ۔ کثیر المیامن کے ترجمہ کا ایک نفیس و نادر قلمی نسخہ محمد مومن عرب بن شرف الدین حسن شیرازی کے قلم کا لکھا ہوا سالار جنگ لائبریری حیدرآباد میں محفوظ ہے اسکی تاریخ کتابت ذی الحجہ سنہ ۱۰۲۹ھ ہے۔

کامل تھا ۔ محمد قطب شاہ کے زمانہ میں ایران سے دکن آیا ۔ میر مومن استرآبادی کی خدمت میں پہنچا ۔ میر صاحب موصوف نے بہ سبب ہموطنی علی گل کی بڑی عزت کی اور شاہی عہدہ داروں میں ایک اچھے عہدہ پر مامور کردیا ۔ آخر عمر تک حیدرآباد میں رہا سنہ ۱۰۳۱ھ کے بعد انتقال کیا ۔ میر کے دائرہ میں مدفو ہوا یہ شعر اس کے نام سے موسوم ہے :—

اے شوق ! ستم بر دل افگار بد است آزار دل سوختۂ زار بد است

باب چہارم

عبد اللہ قطب شاہ

سلطان محمد قطب شاہ کی وفات کے بعد اس کا کمسن بیٹا « شہزادہ عبد اللہ[1] » جمادی الاول ۱۰۳۵ ھ میں تخت سلطنت پر متمکن ہوا ۔ وہ ۲۸ ۔ شوال ۱۰۲۳ ھ کو پیدا ہوا تھا ۔ تخت نشینی کے وقت اسکی عمر صرف چودہ سال کی تھی ۔ قطب شاہی سلاطین میں اس کا عہد حکومت سب سے طویل تھا ۔ اس نے ۴۸ برس حکومت کرنے کے بعد ۱۰۸۲ ھ میں ، ۶۰ سال کی عمر میں انتقال کیا ۔ اس کے عہد حکومت میں دہلی اور حیدرآباد کے تعلقات کی کشیدگی میں اضافہ ہونے لگا ۔ دہلی کے مغل حکمران جنوبی ہند کو اپنے زیر

---

۱ ۔ سلطان محمد نے عبد اللہ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کیلئے میر قطب الدین نعمت اللہ رشتگی کا انتخاب کیا تھا ۔ شہزادہ نے کم و بیش تین سال مرزا نعمت اللہ کے مکان میں پرورش پائی اوو جب سنہ ۱۰۲۵ ھ میں میر قطب الدین کا انتقال ہوگیا تو شہزادہ کی اتالیقی پر مرزا محمد شریف اردستانی کا تقرر ہوا ۔ اس نے بھی ۳ جمادی الثانی سنہ ۱۰۲۵ ھ کو انتقال کیا ۔ اور اس کے بعد میر مظفر علی شہزادہ کا اتالیق قرار پایا ۔ ان کی عمر جب پانچ سال کی تھی تو سلطان کے حکم سے میر مومن استر آبادی نے اس کی تعلیم کا انتظام کیا ۔ مولانا حسین شیرازی معلم قرار ہوے ۔ انہوں نے اولاً قرآن مجید پڑھایا ۔ اس کے بعد مسائل شرع اور احکام دین کی تعلیم دی ۔ بارہ سال کے بعد سلطان نے شہزادہ کو اپنے ساتھ رکھا اور اپنا بیشتر وقت اس کی تربیت مت صرف کرنے لگا ۔ حکمرانی کے اداب اور بادشاہت کے مراسم بتلائے اور عدل و انصاف کے آئین و قوانین سکھائے ۔

خرمان لانا چاہتے تھے اور اس منصوبے کو کامیاب بنانے کے لئے دکن کی سلطنتوں پر سیاسی اور فوجی دباؤ ڈال رہے تھے ، تاہم عبد اللہ قطب شاہ کی زندگی تک نہ صرف یہ کہ قطب شاہی سلطنت کی سالمیت باقی رہی بلکہ جنوبی ہند میں اسکی سلطنت کے حدود میں اضافہ ہوا اور مدراس کے ساحل تک اُس کا سکہ چلنے لگا لیکن رفتہ رفتہ نظم و نسق میں انحطاط پیدا ہوتا جارہا تھا اور ارباب بست وکشاد میں ، خود اعتمادی ، جفا کوشی ، جاں نثاری اور کار کردگی کا وہ جذبہ کم ہوتا جارہا تھا جو شمالی ہند کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی مقاومت کرسکتا ۔ چنانچہ عبد اللہ قطب شاہ کی وفات کے بعد پندرہ سال کے اندر قطب شاہی سلطنت کا آفتاب اقبال ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا ۔ تاہم قطب شاہی سلطنت کی اس ڈھلتی ہوئی دھوپ میں شعر و ادب اور علم و حکمت کی روشنی کچھ اور تیز ہوگئی اور بجھنے سے پہلے یہ چراغ کچھ اس انداز سے فروزاں ہوا کہ اس کی ضیاتابی سے سارا ماحول جگمگا اٹھا ۔

عبد اللہ قطب شاہ نے اپنے عہد حکومت میں ، محمد قلی قطب شاہ کی قائم کردہ ادبی اور تہذیبی روایات کو از سرنو زندہ کیا ۔ وہ شاعر اور فن کار جو سلطان محمد کے زمانے میں گوشہ نشین ہو گئے تھے پھر ایک نئی شان سے منظر عام پر آئے ۔ محمد قلی قطب شاہ کے دربار کا ملک الشعرا ، وجہی جو ابھی زندہ تھا اُسے بھی عبد اللہ قطب شاہ نے شرف بار یابی بخشا اور اردو کے ایک ابھرتے ہوئے ، ذہین اور صاحب طرز شاعر غواصی کو ملک الشعرا کے خطاب سے نوازا ۔ اردو کے ان شیوہ بیان ارباب قلم نے عبد اللہ کے دور میں اعلےٰ درجے کے ادبی کارنامے تخلیق کئے ۔ غواصی نے ۱۰۴۹ ھ میں « طوطی نامہ » کے نام سے اردو میں ایک مثنوی لکھی جس کے آغاز میں اس نے نئے دور کا خیر مقدم کرتے ہوئے عبد اللہ قطب شاہ کو یوں خراج تحسین و عقیدت پیش کیا کہ :—

کہیں یوں بحق علی ولی کہ پھر جگ میں آیا محمد قلی

وجہی نے « قطب مشتری » کی تصنیف کے ۲۷ سال بعد اردو نثر میں اپنی مشہور کتاب « سب رس » تصنیف کی ۔ « سب رس » کے دیباچے میں وجہی نے بھی عبد اللہ قطب شاہ کے دربار میں اپنی بار یابی کا ذکر کرتے ہوئے نئے عہد کا استقبال کیا ۔

عبد اللہ قطب شاہ نے محمد قلی قطب شاہ کی طرح نہ صرف اردو ، فارسی اوو عربی علم و ادب اور شعر وحکمت کی سرپرستی اور قدر افزائی کی بلکہ اپنی سلطنت کی سب سے بڑی علاقائی زبان تلگو کے شاعروں ، ادیبوں اور عالموں کو بھی اپنے بذل و کرم سے نوازا ، وہ اپنے وقت کا بڑا حصہ عالموں ، ادیبوں اور شاعروں کی صحبت میں گزارتا تھا ۔ اس تعلق سے « حدائق السلاطین » کے مؤلف نے لکھا ہے کہ [1] « نواب مشار الیہ با وجود کثرت مشاغل ، ہر صبح از وجود ارباب دانش و از قضات و علما و صلحا و شعرا و اہل استعداد وکمالات بہ افادہ ، افاضۂ علوم منقول وغیرہ مشغول می باشند و شب نیز بعد از صرف سفرۂ طعام مجلس افادہ و استفادہ انعقاد می یابد و روز ہائے سہ شنبہ کہ از روز تعطیل است با شعرائے فصاحت شعار و مرد مان بلاغت آثار از عرب و عجم ایوان متبنی و ایوان خاقانی و انوری و مثنوی مولوی ، باکتب و شروح و دواوین دیگر از شعرائے نامدار درمیان آوردہ صحبت متوفی می دادند »

ابراہیم قطب شاہ کے زمانے میں « آتش خانہ » کے نام سے شاعروں ادیبوں اور دانشوروں کی جس اکیڈمی کا حال ملتا ہے اسکی علمی و ادبی سرگرمیاں ، عبد اللہ قطب شاہ کے عہد میں پھر تازہ ہوگئیں ، مؤرخین کا بیان ہے کہ « آتش خانہ » میں شاعروں ، ادیبوں اور فن کاروں کا جمگھٹا ہوتا تھا ، رات رات بھر شعر و سخن کی محفلیں گرم رہتی تھیں اور علمی و ادبی مسائل پر تبادلۂ خیال کیا جاتا تھا ۔ عام تعطیل کے روز (قطب شاہی دور میں ہفتہ وار

---

۱ ۔ « حدیقۃ السلاطین » صفحہ ۱۲۸

تعطیل عام کا دن منگل کا دن ہوتا تھا) شاعر اوا ادیب بادشاہ کے دربار میں جمع ہوتے - اپنا کلام سناتے اور قدیم شعرا کے کلام پر مباحثے اور تبصرے کرتے -

عبد اللہ قطب شاہ کے زمانے میں ادبیات کے علاوہ مذہبیات ، تاریخ ریاضی ، نجوم اور دوسرے علوم و فنون پر بھی متعدد کتابیں لکھی گئیں - اس کا استاد ملا حسین اُملی فارسی کا ایک مانا ہوا شاعر اور بلند پایہ عالم تھا ، اس نے کئی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں « شرح نہجتہ البلاغت » « ہدایت الابرار » « کتاب المعارف » اور « رابعۃ العمل » اسکی مشہور کتابیں ہیں -

سلطان عبد اللہ قطب شاہ کا داماد سید نظام الدین احمد بھی ، اپنے وقت کا ایک جید عالم گزرا ہے ، وہ ریاضی اور نجوم کا ماہر تھا - مؤرخین نے اسکے بارے میں لکھا ہے کہ ریاضی اور نجوم سے دلچسپی رکھنے والے مغربی سیاحوں کو وہ اپنے ہاں ٹھیراتا ، اُن کی خاطر تواضع اور مہمانداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا اور اُن سے تبادلۂ خیال اور بحث و گفتگو کرتا - اس نے متعدد علوم و فنون پر ۱۰۸ رسالے لکھے جو « شجرۂ دانش » کے نام سے مشہور ہیں - عبد اللہ قطب شاہ کا میر جملہ ، میر محمد سعید اردستانی بھی ایک صاحب علم و فضل انسان تھا ، بہاء الدین آملی کے شاگرد اور میر محمد مومن کے فیض یافتہ شیخ محمد ابن خاتون آملی کا شمار بھی اس زمانے کے بلند پایہ عالموں اور دانشوروں میں ہوتا ہے وہ کئی کتابوں کا مصنف گزرا ہے ، عبد اللہ قطب شاہ کے عہد میں کچھ مدت تک وہ پیشوائی کے عہدۂ جلیلہ پر بھی مامور رہا - اسی زمانے میں شیخ احمد الہندی نے بہاء الدین آملی کی « کشکول » (عربی) [1] کو فارسی میں منتقل کیا اور « خرقۂ علما » اس کا نام رکھا ، یہ ترجمہ سات جلدوں پر مشتمل ہے - اس زمانے کی ایک اور بزرگ شخصیت شاہ قاضی کی تھی - شاہ قاضی نے عبد اللہ کی فرمائش پر عربی کی ایک مشہور و نایاب کتاب « کثیر المیامن » کا فارسی میں ترجمہ کیا -

۱ - « کشکول » شیخ بہاء الدین آملی کی مشہور و مقبول تالیف ہے ، اس میں

شیخ نے فنون ، تفسیر و حدیث حکمت و فلسفہ اور ادب و انشاء کے متعلق عربی و فارسی کے کتب معتبرہ کے اقتباسات جمع کئے ہیں - یہ کتاب طہران میں دو مرتبہ ۱۲۶۶ ھ اور ۱۲۹۱ ھ میں چھپ چکی ہے اور مصر میں ، ۱۲۸۸ ھ سے لے کر ۱۳۱۸ ھ تک کے دوران میں اس کے سات ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں - « کشکول » میں شیخ بہاء الدین کا ایک قصیدہ بھی شامل ہے جس کا عنوان ہے «الوسیلۃ الفوز و الامان فی مدح صاحب الزمان المہدی الموعود بہ آخر الزمان » شیخ احمد بن علی المنینی نے اسکی شرح لکھی ہے جو مصر کے بعض مطبوعہ نسخوں میں شامل ہے -

شیخ احمد الہندی جبل آمل کے باشندے تھے انہوں نے سلطان عبد اللہ قطب شاہ کی فرمائش پر شیخ بہاء الدین آملی کی « کشکول » کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اسکے مشکل اور حل طلب مقامات کی شرح لکھی - یکم شعبان (جمعہ) ۱۰۲۴ ھ کو شیخ احمد نے اس ترجمہ کی تنمیق و تبییض سے فراغت حاصل کی اور اس کا نام « کحلول ترجمہ کشکول » رکھا اس کا ایک مخطوطہ جو ۱۶ - ربیع الاول ۱۱۰۱ ھ کو قلعہ دھارور میں مکتوب ہوا ہے کتب خانہ آصفیہ (موجودہ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدر آباد) میں فن محاضرات کے نمبر ۳۶۵ پر محفوظ ہے - اسکے علاوہ ڈاکٹر ایتھے نے ایک اور مخطوطہ کا ذکر کیا ہے جو انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے (نمبر ۲۷۹۷) - اس کی کتابت ٤ - ربیع الاول ۱۱۵۱ ھ کو ہوئی ہے - الہندی کی نسبت ہند سے ہے جو یمن کے ایک مشہور قبیلے کا نام ہے (قاموس طبع لکھنو ۱۲۹۸ ھ صفحہ ۲۱۲)-

حضرت معشوق ربانی جن کا مزار ضلع ورنگل میں ہے عبد اللہ قطب شاہ کے زمانے میں بغداد سے حیدرآباد آئے تھے ۔ ان بزرگوں عالموں اور با کمالوں کے علاوہ فارسی کے متعدد بلند پایہ شاعر، ادیب مؤرخ انشا پرداز اور لغت نگار عبد اللہ قطب شاہ کے دربار سے وابستہ تھے جن میں نظام الدین احمد الصاعدی ۔ محمد حسین تبریزی، فرج اللہ شوستری الفتی یزدی، سالک یزدی، میر رضی دانش مشہدی، ابو تراب فطرت مشہدی اور مرزا حمزہ استرآبادی بطور خاص قابل ذکر ہیں :—

نظام الدین احمد الصاعدی

مرزا نظام الدین احمد ابن عبد اللہ الصاعدی شیرازی المتخاص بہ نظاما شیراز کے باشندے تھے ۔ عبد اللہ قطب شاہ کے زمانے میں حیدرآباد آئے اور شاہی دربار کے متوسلین میں شامل ہوگئے ۔ مرزا نظام الدین نے عبد اللہ قطب شاہ کے عہد حکومت کی ایک مبسوط تاریخ لکھی ہے جو عام طور پر « حدیقۂ قطب شاہی » کہلاتی ہے لیکن اسکا صحیح نام « حدیقۃ السلاطین » ہے ۔ یہ تاریخ دو حصوں پر مشتمل ہے ۔ پہلے حصے کا آغاز عبد اللہ قطب شاہ کی ولادت (۲۸ ۔ شوال سنہ ۱۰۲۳ھ) سے ہوتا ہے ۔ اور اس میں جلوس کے سولہویں سال یعنی سنہ ۱۰۵۰ھ تک کے واقعات بیان کئے گئے ہیں دوسرا حصہ ۱۰۵۱ھ سے ۳۵ویں سال جلوس ۱۰۶۹ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے ۔ پہلا حصہ یورپ اور ہندوستان کے بعض کتب خانوں میں محفوظ ہے[1] ۔ دوسرا حصہ نایاب ہے ۔ اس کا واحد مخطوطہ کرنل میکینزی کے ذخیرۂ کتب میں موجود تھا جس کا ذکر ڈاکٹر ولسن نے اپنی فہرست میں کیا ہے[2]

---

۱ ۔ حدیقۃ السلاطین کا پہلا حصہ مولوی سید علی اصغر بلگرامی نے ایک مقدمہ کے ساتھ ۱۳۵۰ھ میں حیدرآباد سے شایع کیا ۔

۲ ۔ « عمادیہ » صفحہ ۹۱

محمد حسین تبریزی

سلطان عبد اللہ قطب شاہ کے عہد میں محمد حسین تبریزی نے فارسی کا ایک ضخیم و جامع لغت « برہان قاطع » مرتب و مدون کیا[1] محمد حسین تبریزی برہان تبریز کا باشندہ تھا ۔ تحصیل علم کے بعد عبد اللہ قطب شاہ کے زمانے میں حیدرآباد آیا ، مدت تک علامہ ابن خاتون کے ندیموں میں شامل رہا ۔ سلطان عبد اللہ کی فرمائش پر اُس نے « برہان قاطع » کی تالیف و تدوین کا کام شروع کیا ۔ برہان تبریزی اپنے وقت کا ایک جید عالم ، بلند پایہ محقق ، متعدد زبانوں کا ماہر اور ایک خوش فکر شاعر تھا ۔ اس بات کا تو علم نہیں کہ اُس نے « برہان قاطع » کا کام کب شروع کیا لیکن یہ معلوم ہے کہ ۱۰۶۲ھ (۱۶۵۲ع) میں اُس نے اپنا یہ ضخیم اور وقیع کارنامہ پایۂ تکمیل کو پہنچایا ۔ خود مؤلف نے « کتاب نافع برہان قاطع » سے اس لغت کی تاریخ نکالی ہے ، پورا قطعۂ تاریخ یہ ہے :—

چو برہان از رہ توفیق یزداں   مر این مجموعہ را گردید جامع
پئے تاریخ اتمامش قضا گفت   « کتاب نافع برہان قاطع »

---

۱ ۔ « برہان قاطع » کا ایک قلمی نسخہ سالار جنگ لائبریری ، حیدرآباد کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے ۔ لغت فارسی نمبر ۱۰ مکتوبہ ۱۱۳۴ھ بخط حکیم مومن ۔ جملہ اوراق ۵۶۰ مسطر ۲۱ سطری سائز "۱۲½ × "۷½ انڈیا آفس لائبریری (نمبر ۲۴۹۵) اور برٹش میوزیم لائبریری (نمبر ۱۶۷۵۱) میں بھی « برہان قاطع » کے قلمی نسخے محفوظ ہیں نیز ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال میں (۱۴۳۰ ۔ ۱۴۲۶) « برہان قاطع » کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے ۔

دنیا کے مختلف کتب خانوں میں اس لغت کے قلمی نسخے محفوظ ہیں جن میں سب سے قدیم اور نایاب نسخہ انڈیا آفس لا ئبریری کا ہے ۔ اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اسے مؤلف کے خود نوشتہ نسخے سے نقل کیا گیا ہے اپنے خود نوشتہ نسخے میں مؤلف نے نظر ثانی کے بعد جا بجا حاشیوں پر اپنے قلم سے کچھ اضافے کئے تھے۔انڈیا آفس والے مخطوطے کے کاتب نے بھی مؤلف کی قلمی ترمیمات کو بجنسہ حاشیوں پر نقل کردیا ہے

یہ لغت کئی بار چھپ چکا ہے ۔ سب سے پہلے کیپٹن روبک نے مارکوئیس ہٹینگز کے زمانے میں متعدد علماء کی رائے اور امداد سے ایڈٹ کر کے اُسے کلکتہ سے شایع کیا ۔ اسکے بعد اس لغت کے مزید ایڈیشن ۱۲۳۸ ھ (۱۸۲۲ ع) ۱۲۵۰ ھ (۱۸۳۴ ع) ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ ع) میں شایع ہوئے ۔ اس لغت کے متعدد ایڈیشن بمبئی سے بھی شایع ہوے منجملہ ان کے دو ایڈیشن کتابت و طباعت کی نفاست و عمدگی کے اعتبار سے بہت ممتاز ہیں ، ان میں سے ایک ایڈیشن کی کتابت حمزہ ماژندرانی نے کی تھی ۔ یہ ایڈیشن ۱۲۴۸ھ میں دو جلدوں میں شایع کیا گیا ۔ دوسرے کاتب کا نام مرزا احمد خرم کاشانی ہے اور اس کا سنہ طباعت ۱۲۵۹ھ ہے ۔ لکھنؤ اور کانپور کے مطابع سے بھی اس لغت کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ، ان میں سب سے قدیم ایڈیشن لکھنؤ کے مطبع علوی کا نسخہ ہے جو ۱۲۷۲ ھ میں شائع ہوا اسکے بعد منشی نولکشور کے مطبع میں پہلی مرتبہ ۱۲۸۸ھ ، دوسری مرتبہ ۱۲۹۷ھ اور تیسری مرتبہ ۱۳۰۶ھ مین اسے زیور طباعت سے آراستہ کیا گیا ۔

سید احمد عاصمی نے جو انقرہ (ترکی) کے مکتب سلطانی کا معلم تھا « برہان قاطع » کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ نہایت اہتمام کے ساتھ نفیس ٹائپ میں دو رنگی روشنائی سے سلطان سلیم ثالث (۱۲۰۳ — ۱۲۲۲ ھ) کے عہد حکومت میں ۱۲۱۴ ھ میں قسطنطینہ کے مطبع عامرہ سے شائع ہوا ۔ اس میں لغات سرخی سے اور باقی عبارتیں سیاہی سے چھاپی گئی ہیں

اسکے بعد مصر کے مطبع بلاق سے اسکے دو ایڈیشن علی الترتیب ۱۲۵۱ ھ اور میں شائع ہوئے پروفیسر (Vollers) نے فارسی ۔ لاطینی کا جو لغت مرتب کیا اور جس کا نام (Laxicon Persico Latinum) رکھا ہے اُس کی بنیاد ، فارسی کا یہی لغت (برہان قاطع) ہے انیسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں ہندوستان اور ایران کے بعض ارباب علم و دانش اور لغت نگاروں نے « برہان قاطع » کو موضوع بحث بنایا اور اسکی مخالفت و موافقت میں ہزاروں صفحے لکھ ڈالے بہت دنوں تک تنقید اور جوابی تنقید کا یہ سلسلہ چلتا رہا ۔ اردو کے مشہور شاعر مرزا غالب نے بھی اس علمی اور تحقیقی بحث میں عملی حصہ لیا اور متعدد رسالے اور جوابی رسالے لکھے ۔

« برہان قاطع » سے پہلے بھی ہندوستان میں فارسی کے کئی لغت لکھے جاچکے تھے لیکن « برہان قاطع » کی ترتیب و تدوین میں محمد حسین تبریزی نے جن اصولوں ، اور ضابطوں کو ملحوظ رکھا ہے اُن کے پیش نظر « برہان قاطع » فارسی لغات میں اپنی نوعیت کا پہلا لغت ہے ۔ محمد حسین تبریزی نے « برہان قاطع » کو سب سے پہلے حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کیا فارسی لغت نگاری کی تاریخ میں « برہان قاطع » کو اس کے بعض معترضین اور نکتہ چین بھی ایک اہم اضافہ متصور کرتے ہیں۔محمد حسین تبریزی نے « برہان قاطع » کو ۲۹ ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب کو دفتر کا نام دیا ہے ۔ آخری دفتر اُن زبانوں کے الفاظ اور اسمائے خاص پر مشتمل ہے جو اس وقت فارسی زبان میں مروج اور مستعمل تھے ۔ ابتدا میں مؤلف نے ایک طویل دیباچہ لکھا ہے ۔ اسکے بعد « نہ فائدہ و بست و نہ گفتار » کی فہرست دی گئی ہے ۔ « بست و نہ گفتار » تو وہی ۲۹ دفتر ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ۔ « نہ فائدہ » کے تحت فاضل مؤلف نے فارسی زبان کی اصل ، اسکی ابتدا ،

---

۱ ۔ « عمادیہ » صفحہ ۸۹

اسکے حروف تہجی کی تعداد مختلف حروف تہجی کے فرق و امتیاز ، زبان کے اصول و قواعد اور دوسرے لسانیاتی رموز و دقائق پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے - دیباچہ میں وہ لکھتا ہے کہ :—

« محمد حسین المتخلص بہ برہان می خواست کہ جمیع لغات فارسی و پہلوی و دری و یونانی و رومی و سریانی و بعضے از لغات عربی و لغات زند و پا ژندہ و لغات مشترکہ و لغات عربیہ متفرقہ و اصطلاحات فارسی و استعارات وکنایات بہ عربی آمیختہ و جمیع قواعد فرہنگ جہانگیری و مجمع الفرس سروری و سرمۂ سلیمانی واصحاح الادویہ حسین انصاری کہ ہر یک حاوی بر چندیں کتاب لغت اند بطریق عالی بنویسد » اس عبارت سے مؤلف کی کاوش فکر و نظر اور لغت کی ترتیب و تدوین کے بارے میں اسکی خاکہ اندازی کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ « برہان قاطع » کی تالیف کے سلسلے میں اُس نے فارسی کے بیسیوں لغات اور حوالے کی کتابوں سے استفادہ کیا - حروف تہجی کے اعتبار سے لغات کی ترتیب و تدوین کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ :—

« لغات و کنایات آن را بر حرف اول و ثانی معین و بر ثالث و رابع مرتب و مزین ساخت -

چوں گہر ہائے آبدار فلک ہر گلے را بجائے خویش نشاند »

دیباچے کے آخری حصے میں برہان تبریزی نے اپنے محسن وممدوح ، فرمانروائے وقت عبد اللہ قطب شاہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے —

شہے کہ در صف شاہان ہند ممتاز است چو در میانۂ یاراں ، علی ولی اللہ

برہان تبریزی فارسی میں شعر بھی کہتا تھا ، اُس نے اپنے لغت کے دیباچے کو جا بجا اپنے اشعار سے مزین کیا ہے « حدیقۃ السلاطین » کا مصنف برہان تبریزی کا نام بڑی عزت و عقیدت سے لیتا ہے اور اُسے « جامع الفنون » کے لقب سے مخاطب کرتا ہے - قلعۂ اودگیر کی فتح سنہ ۱۰۵۳ ھ کا احوال

لکھتے ہوئے صاحب « حدیقۃ السلاطین » نے شعرائے عصر کی اُن تاریخوں کا ذکر کیا ہے جو اس موقع پر کہی گی تھیں ، اور اسی ضمن میں لکھتا ہے کہ جامع الفنون ملا برہان تبریزی نے بھی اس موقع پر چار مصرعے نظم کئے اور ہر مصرع سے تاریخ نکالی ہے -

در عہد گزیں پادشہ عالمگیر با جہد وزیر کامل با تدبیر
اقبال چو مسجد آمد خنداں آورد بما نوید فتح اودگیر

« حدیقۃ السلاطین » میں کئی جگہ برہان تبریزی کی شعر گوئی کا ذکر آیا ہے لیکن افسوس کہ ان متفرق اشعار کے علاوہ جو « حدیقۃ السلاطین » یا « برہان قاطع » کے دیباچے میں ملتے ہیں ہمارے علم کی حد تک برہان کا کلام ناپید ہے -

---

کاظم حسینی کریم

عبد اللہ قطب شاہ کے عہد کا ایک غیر معروف لیکن اہم شاعر میر محمد کاظم حسینی کریم عراق کے سادات کرام سے تھا ۔ شاہجہاں بادشاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ) کے عہد میں ہندوستان آیا اور دہلی سے ہوتا ہوا حیدرآباد پہنچکر شاہی متوسلین میں شامل ہوگیا۔ کریم کے ذکر سے تذکرے اور تواریخ خالی ہیں۔اس کے ضخیم کلیات کا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانے میں محفوظ ہے[1] ۔ اس کے علاوہ بعض اور کتب خانوں میں بھی کریم کے کلیات اور اسکی بعض منظوم تصنیفات کے مخطوطے پائے جاتے ہیں[2]۔کریم کا کلیات ایک طویل دیباچے سے شروع ہوتا ہے ۔ برٹش میوزیم کے نسخے میں یہ دیباچہ شامل ہے جس میں کریم نے بتایا ہے کہ اس کا باپ بھی شاعر تھا اور فکر تخلص کرتا تھا ۔ دیباچے کا آغاز اس رباعی سے ہوتا ہے —

ہر مصرع و دیباچۂ مستانۂ من رمزے است ز راز دل دیوانۂ من
دیباچہ کریم بہ رباعیات منم گنجے است کہ باشد بہ ویرانۂ من

---

۱ ۔ برٹش میوزیم میں محفوظ کریم کا کلیات متعدد قصائد ، دس مذہبی مثنویوں تقریباً ۴۰۸۰ رباعیوں اور غزلوں پر مشتمل ہے ۔ برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد دوم صفحہ ۶۸۳ نمبر ۳۰۵ جملہ اوراق ۳۳۸

۲ ۔ امین الدولہ عزیز الملک نواب علی ابراہیم خاں خلیل نے ۱۱۹۸ھ میں خلاصۃ الکلام (بولڈین لائبریری ۳۹۰) کے نام سے فارسی کے مثنوی گو شعرا کا ایک ضخیم تذکرہ مرتب کیا ۔ اس میں کریم کی دس مثنویوں کا ذکر ہے « جو عشرۂ مبشرہ » کے نام سے موسوم ہیں ۔ منجملہ اُن کے « خلاصۃ الکلام » کے مؤلف نے کریم کی پانچ مثنویوں سے منتخب اشعار اپنے تذکرہ میں نقل کئے ہیں ۔ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ،—

کریم کے کلیات میں دیباچۂ نثر کے بعد رباعیات ہیں ، پھر ایک اور دیباچۂ نثر ہے جسکے بعد ایک طویل قصیدہ شروع ہوتا ہے جو ایک ہزار اشعار پر مشتمل ہے ۔ قصیدے کا پہلا شعر ہے —

گنج باشد عدل و رحمت ظلم و بدعت مار آں
مار را چوں سر بکوبی می بری گنج از میاں

کریم نے اس قصیدے کا عنوان « گنج نامہ » رکھا ہے ۔ یہ قصیدہ عبداللہ قطب شاہ کی تعریف میں لکھا ہے لیکن بادشاہ کی مدح و توصیف کے ساتھ ساتھ کریم نے اپنے اس قصیدے میں حکومت کے نظم و نسق پر کڑی تنقید کرتے ہوے بڑی دلیری اور جرأت کے ساتھ سلطان عبداللہ کو مشورہ دیا ہے کہ نظم ونسق کی خرابیوں اور بدعنوانیوں کا فوری انسداد کیا جائے اور انتظام مملکت کو بہتر بنایا جائے ۔ اس قصیدے کے دیباچے سے پتہ چلتا ہے کہ کریم نے حیدرآباد آنے کے سات سال بعد یہ قصیدہ لکھا تھا ۔ دیباچے میں لکھا ہے کہ « میری سات سالہ ملازمت کے دوران میں میرے ساتھ جو نامناسب اور ناپسندیدہ سلوک روا رکھا گیا وہ انصرام نظم و نسق کی خرابی کا آئینہ دار ہے » اُسے یہ بھی گلہ ہے کہ شروع میں جو وظیفہ اسکے لئے مقرر کیا گیا تھا ،

بسلسلۂ صفحۂ گذشتہ :— کریم کی بعض منظوم تصنیفات کا ایک مخطوطہ لکھنؤ کے شاہی کتب خانے میں تھا جواب برٹش میوزیم میں نمبر (۳۰۵) پر محفوظ ہے بوڈلین لائبریری میں بھی کریم کی دو تصانیف کے مخطوطے موجود ہیں جو رائٹ آنریبل سرگوروسلی Rt. Hon Sir Goriousely کے ذخیرۂ کتب سے حاصل کئے گئے ہیں یہ دونوں تصانیف سلطان عبداللہ قطب شاہ کے نام معنون ہیں۔تعجب ہے کہ مصنف نے ان کے نام نہیں رکھے ہیں اور نہ ان کے کاتبوں نے ان کے ناموں کی کوئی صراحت ہے ۔

Sachan, Ethe, PTH, MSS Bodltin Nos. 1294, 1295

ان میں سے ایک تصنیف کا پہلا نصف حصہ نظم میں اور دوسرا نصف حصہ نظم و نثر میں ہے ۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۰۵۱ھ ہے اسکے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رفتہ رفتہ اسے گھٹا دیا گیا اور آگے چل کر اسی قصیدے میں یہ بھی اشارہ دیا ہے کہ اگر یہی حالات بدستور قائم رہے تو وہ حیدرآباد چھوڑ کر اپنے وطن عراق چلا جائے گا اور بقیہ عمر نجف اشرف میں گذار دے گا ۔ اس قصیدے کے ساتھ بادشاہ کے نام ایک خط بھی شامل ہے جس میں وہ اپنی شاعری کو « خزانۂ مدفون » سے تعبیر کرتا ہے ۔ کریم نے اپنے اس طویل قصیدے میں حکمرانی کے طور طریق پر روشنی ڈالی ہے اور عدل و انصاف کی خوبیوں اور ظلم و بیداد کی برائیوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ اُس کا پیرایۂ بیان ناصحانہ ہے اور اُس میں زور و اثر پیدا کرنے کے لئے اُس نے سعدی ، جامی اور نظامی کے متعدد اشعار بھی نقل کئے ہیں ۔

بسلسلۂ صفحۂ گذشتہ :— ٹھیک تین سال بعد ۱۴ ۔ صفر ۱۰۵۴ھ کو محمد تقی شیرازی نے اس مخطوطے کی کتابت کی ۔ خاتمے کے اس شعر سے اسکی تاریخ تصنیف برآمد ہوتی ہے —

از روئے حساب زبور حسن سخن
تاریخ شدہ چو نام ایں رشک چمن

اس مخطوطے کا ابتدائی حصہ ناقص ہے ۔ مصنف نے اس کو نو آرائش اور سات رائحوں میں تقسیم کیا ہے ۔ « نو آرائش » نظم میں ہے ۔ سات رائحوں میں سے ابتدائی تین رائحے بھی تلف ہوگئے ہیں باقی چار رائحے نظم و نثر میں ہیں ۔ دوسری تصنیف پوری نظم میں ہے ، یہ ایک مثنوی ہے جو نظامی گنجوی کی « مخزن الاسرار » کی زمین میں لکھی گئی ہے اسکا سنہ تصنیف ۱۰۵۴ھ ہے ۔ کریم نے اسکے سنہ تصنیف اور اپنے ممدوح کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے —

رنگ گلشن یافت چو حسن از کمال از پئے تاریخ شدم در خیال
برد مرا فکر بہ گلگشت باغ گفت کز اندیشہ مشو بے دماغ

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر :—

کریم نے اپنے کلیات کے دیباچے میں اپنی مثنویوں کے پڑھنے کی تاثیر بھی بیان کی ہے وہ ایک قادر الکلام شاعر تھا ۔ اسکے حالات زندگی پردۂ گمنامی میں ہیں ۔ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اُس نے اپنی زندگی کا کتنا حصہ حیدرآباد میں گذارا اور کب اور کہاں اُس کا انتقال ہوا ۔

بسلسلۂ صفحۂ گذشتہ :—

سکہت تاریخ کند آشکار « رائحہ گلشن دیدار یار »
(۱۰۵۴ھ)
تا نبود چو گل حسن سخن دلبری حسن گل ہر چمن
باد گل دولت عبداللہی زیب دہ گلشن شاہنشہی

ڈاکٹر ساشان (Sachan) نے اسکا نام بعض اشعار کی بنا پر قیاساً « گلشن » یا « گلزار » قرار دیا ہے لیکن ہمارے خیال میں اس کا نام « روائح گلشن » ہو سکتا ہے ۔ مصرع تاریخ سے بھی ایک حد تک اس نام کی تائید ہوتی ہے ۔ یہ مثنوی اس شعر سے شروع ہوتی ہے —

« بسم اللہ الرحمن الرحیم زینت سر لوح کتاب قدیم »

اس کے مضامین ایک مشاہدہ ، بارہ جلووں اور ایک خاتمے پر مشتمل ہیں ۔

عبد اللہ امانی

عبد اللہ قطب شاہ کے دور حکومت میں فارسی کے ایک غیر معروف شاعر ملا عبد اللہ امانی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اسکے دیوان کا ایک قلمی نسخہ جسکی کتابت حیدرآباد میں ہوئی ہے اور سنہ کتابت ۱۰۷۰ھ ہے انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے [1]۔ امانی نے اسکے دیباچے میں لکھا ہے کہ میں نے یہ دیوان ۱۰۴۷ھ (۱۶۳۷ع) میں مدون کیا تھا۔ علم طب پر بھی اسکی ایک تصنیف ماق ہے جس پر ۱۰۶۱ھ کی تاریخ مکتوب ہے، «تحفۃ الکرام» [2] میں امانی کے تعلق سے لکھا گیا ہے کہ «بہ ہند آمدہ بہ ملازمت میر جملہ شہرستانی گزید» — اگر اس بیان کو صحیح مان لیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنا ہوگا کہ امانی حیدرآباد میں نہیں بلکہ دہلی میں روح الامین میر جملہ کی سلک ملازمت میں شامل ہوا ہوگا اور وہیں سے سنہ ۱۰۴۷ھ سے قبل حیدرآباد پہنچا ہوگا۔ انڈیا آفس لائبریری کے فہرست نگار نے لکھا ہے کہ امانی کا انتقال غالباً ۱۰۶۱ھ کے دو ایک سال بعد مازندران میں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امانی کچھ مدت تک حیدرآباد میں مقیم رہا اور پھر ایران لوٹ گیا۔ اس کے دیوان میں مرزا حبیب اللہ، مرزا قاضی اور مازندران کے امیر تیمور وغیرہ کی تعریف میں متعدد قصیدے شامل ہیں۔

عبد اللہ قطب شاہ کی تعریف میں جو قصائد اسکے دیوان میں پائے جاتے ہیں وہ ایک ایسی داخلی شہادت ہے جسکی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امانی کا تعلق حیدرآباد کی قطب شاہی سلطنت سے بھی رہا ہے امانی کے دیوان میں

---

۱ - «دیوان امانی» — انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ نمبر ۱۵۷۱ - جملہ اوراق ۴۱۹، مسطر ۱۷ سطری

۲ - «تحفۃ الکرام» جلد دوم صفحہ ۸۳

غزلیات، قطعات، ترکیب بند اور ترجیع بند وغیرہ کے علاوہ بارہ اماموں کی منقبت میں بھی قصائد موجود ہیں، نیز دو مثنویاں بھی ہیں ایک مختصر اور ایک طویل، مختصر مثنوی مناجات میں ہے جو اس شعر سے شروع ہوتی ہے —

خدا وندا تو ستار عیوبی قسیم رزق و غفار ذنوبی

طویل مثنوی «ساقی نامہ» کا پہلا شعر ہے —

زحسنت گلی تازہ روئے جہاں را ز ہستی تو زندگی آسماں را

محمد علی جبل رودی

محمد علی، اصفہان کے مضافات میں قریہ جبل رود کا رہنے والا تھا سلطان عبداللہ قطب شاہ کے اکیسویں سنہ جلوس یعنی ۱۰۵۴ھ میں گولکنڈہ آیا اور علامہ محمد ابن خاتون کے اہل مجلس میں شریک ہوگیا - علامہ موصوف کی محفل میں ایک مرتبہ ذکر آیا کہ شاہ عباس صفوی نے ترکی زبان کے امثال جمع کروائے ہیں۔لیکن فارسی زبان کے امثال اس وقت تک کسی نے جمع نہیں کئے ہیں یہ بات چیت محمد علی کے لئے فارسی امثال کو یکجا کرنے کا محرک بن گئی اور اس نے فارسی کی تمام امثال کو جمع کرکے کتابی شکل میں مرتب کیا اور اس مجموعے کا نام « جامع التمثیل » رکھا - [1] حروف تہجی کے لحاظ سے اسے مرتب کیا گیا ہے اور یہ ۲۸ ابواب پر مشتمل ہے۔امثال کی توضیح و تشریح کے سلسلے میں ان سے متعلقہ تلمیحات بھی بیان کی گئی ہیں اس تفریب سے « جامع التمثیل » میں متعدد تاریخی واقعات اور بکثرت قصص وحکایات کا ذکر آگیا ہے

---

[1] ریو (Rew) اور ایتھے (Ethe) نے بیان کیا ہے کہ یہ کتاب عام طور پر « جامع التمثیل » کے نام سے مشہور ہے لیکن اسکے بعض مخطوطوں میں جو مختلف کتاب خانوں میں محفوظ ہیں اس کتاب کے تین الگ الگ نام مذکور ہوے ہیں - یران کے مخطوطے میں « جامع التمثیل » رامپور کے مخطوطے میں « عجائب الامثال » اور اسٹیٹ سنٹرل لائبریری (حیدرآباد) کے مخطوطے میں اس کا نام « مجمع الامثال » بتایا گیا ہے -

یہ کتاب ۱۲۷۸ھ میں طہران سے اور ۱۲۹۱ھ میں بمبئی سے چھپ چکی ہے

اس کے انتقال کے سنہ کا پتہ نہیں چلتا - میرمومن کے دائرۂ حیدرآباد میں اس کی قبر موجود ہے -

الفتی نے عبداللہ قطب شاہ کی مدح وتوصیف میں کئی قصیدے بھی لکھے ہیں جن کے مطالعہ سے زبان و بیان پر اسکی قدرت کا اندازہ ہو سکتا ہے - ایک قصیدے کے چند اشعار یہاں درج کئے جاتے ہیں -

بہار فیض ازل قطب شاہ عبداللہ کہ یافت نشاء عدلش سر تلنگانہ
سوار دیدۂ عالم سزد اگر گردد ز نور معدلتش کشور تلنگانہ
ہمیشہ تاکہ ثباتست خاک را باشد ز خاک مقدم او افسر تلنگانہ
لبالب از مئے مہر علی و آل شداست بدور دولت اُو ساغر تلنگانہ
ز یمن تربیت آفتاب سلطنتش بود براوج شرف اختر تلنگانہ

الفتی نے حیدرآباد کی شاہی عمارات ، کمانوں اور دروازوں وغیرہ کی تعریف میں کثرت سے چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھی ہیں اور اس اعتبار سے الفتی کو قطب شاہی عہد کا پہلا نظم نگار فارسی شاعر بھی کہا جاسکتا ہے -

کمان شیر دل ، لعل محل ، چندن محل ، گگن محل ، سجن محل ، دروازۂ قدیم ، دولت محل ، ندی محل ، چنی محل ، حیدر محل ، محمدی محل ، الہی محل ، امانت محل ، حیات محل ، اور داد محل وغیرہ کی تعریف میں الفتی کی نظمیں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں اور ان نظموں کے مطالعہ سے عبداللہ قطب شاہ کے دور کے حیدرآباد کی ایک زندہ تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے - الفتی کی ان نظموں کے چند مختصر اقتباسات نمونے کے طور پر نیچے درج کئے جاتے ہیں -

کمان شیر دل کی تعریف میں -

زہے شان دروازۂ شیر کہ از رفعتش گردہ گردوں خجل
بہ ایں آستاں تا شود سرفراز سجود آورد مہر با صد نیاز

لعل محل -

چو نام لعل محل کلکم آوردبہ زباں شوند معنی رنگیں بہ صفحہ لعل فشاں

چندن محل -

کنم وصف چندن محل چوں رقم بدستم شود شاخ چندن قلم

گگن محل -

بنگری بر گگن محل بودند کاختران فلک سلحداراں
اندرو ہر شب از پئے چوکی می نشینند بخت بیداراں

سجن محل -

بیا زباں بہ حدیث سجن محل بکشا کہ در بنائے سخن رفعتے شود پیدا
زہے عمارت عالی کہ ازرہ وسعت بہ زیر مایۂ خود دادہ عالمے راجا
بہ صحن وسعت اُو فرش گشتہ کندوری کشادہ زوچو کریماں زندبہ خلق صدا

دولت محل -

بہ بیں رتبۂ وقدر دولت محل کہ دولت ازو یافت قدر ومحل
در و فرش گردیدہ بخت بلند ستارہ بپا طالع ارجمند

ندی محل -

ساکنش تر دماغ ہے مئے ناب از ہوانش بہ سیر عالم آب
خادمش دم زند زفیض بنا ہمچو خضرو مسیح زاب و ہوا

محمدی محل - جہاں بادشاہ کا تخت جلوس تھا اور بادشاہ اس میں دربار عام فرماتا تھا

زہے تختے کہ از عکس جواہر بہ سطح چرخ انجم ساخت ظاہر
ز رفعت تاج از گردوں ستاند بہ ساق عرش نسبت را رساند

امانت محل - بادشاہ کی خلوت خاص امانت محل کی تعریف میں الفتی کی یہ رباعی ملاحظہ ہو -

ایں خانہ کہ گشتہ ظل حق رامسکن طوراست ز منزلش کلیمش شدہ من
چوں نیست مرا حوصلۂ جام لقا بامن دارد ہمیشہ درپردہ سخن

الفتی نے فن شعر میں بھی ایک رسالہ لکھا جسے عبداللہ قطب شاہ کے نام معنون کیا - اس کا نام « ریاض الصنایع قطب شاہی » ہے اس میں فن شعر کے جمیع اصناف یعنی صنایع و بدایع اور عروض وقافیہ پر استادانہ انداز

میں قلم اٹھایا گیا ہے - یہ رسالہ ۱۰۴۸ھ میں مکمل کیا اور اس کے اتمام کی تاریخ ذیل کے قطعہ سے نکالی -[1]

ریاض الصنایع جو اتمام یافت به اعداد توفیق پروردگار
طلب کردم از کلک تاریخ او رقم زد چهل هشت و سال هزار

[1] اسکے مخطوطے کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری، بانکی پور لائبریری (پٹنہ) اور اسٹیٹ سنٹرل لائبریری (حیدرآباد) میں محفوظ ہیں

فرج اللہ شوستری

فرج اللہ شوستری کا شمار عربی اور فارسی کے ایک بلند پایہ شاعر اور بلاد عجم کے مشاہیر ادبا میں ہوتا ہے اسکی زندگی کا بہت بڑا حصہ حیدرآباد میں گذرا اور یہیں وہ پیوند خاک ہوا - سلطان عبداللہ کے عہد حکومت میں وہ حیدرآباد آیا بادشاہ نے بڑی عزت و توقیر کی - اپنے زمرۂ متوسلین میں شامل کرلیا اور دو ہزار ہون تنخواہ مقرر کی - فرج اللہ ایک صاحب دیوان شاعر تھا لیکن اس کا دیوان اب تک شایع نہیں ہوا ہے البتہ اس کے دیوان کے متعدد قلمی نسخے مختلف کتاب خانوں میں محفوظ ہیں[1] «سلافتہ العصر»[2]

مؤلفہ غلام علی معصوم میں جو عربی شعرا کا ایک جامع اور مستند تذکرہ ہے فرج اللہ کی عربی شاعری کا ذکر کیا گیا ہے - صاحب «سلافتہ العصر» نے فرج اللہ کے عربی اشعار کی بے انتہا تعریف کی ہے اور اس نے حیدرآباد میں فرج اللہ شوستری سے اپنی ملاقات کا احوال بھی بیان کیا ہے - یہ واقعہ ۱۰۸۰ھ کا ہے - علی معصوم نے لکھا ہیکہ اس وقت فرج اللہ کی عمر ۷۰ سال کے لگ بھگ تھی - اس سے قیاس ہوتا ہیکہ فرج اللہ ۱۰۱۰ یا ۱۰۱۱ھ میں پیدا ہوا ہوگا - اس کی زندگی کے ابتدائی حالات کا پتہ نہیں چلتا اور نہ یہ معلوم ہوتا ہیکہ وہ ایران سے کس زمانے میں ہندوستان آیا البتہ فارسی شعرا کے تذکرہ نگار اس امر پر متفق ہیں کہ وہ سیدھا حیدرآباد نہیں پہنچا بلکہ ہندوستان کے مختلف مقامات کی سیر وسیاحت کرتا ہوا آخر میں حیدرآباد وارد ہوا - اور پھر اس نے مستقل طور پر یہیں سکونت اختیار کرلی - سیاحت ہند کے دوران میں آگرہ میں تقی اوحدی سے اسکی ملاقات ہوی تھی - تقی اوحدی نے اپنے تذکرہ «عرفات» میں فرج اللہ کو اپنے عصر کا قابل ترین آدمی بتایا ہے -

[1] دیوان فرج کٹیلاگ - ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال
دیوان فرج اللہ شوستری بانکی پور کٹیلاگ جلد سوم نمبر ۲۸۸
دیوان فرج اللہ - کٹیلاگ آف برٹش میوزیم سپلیمنٹ صفحہ ۲۰۷ نمبر ۳۲۷

[2] سلافتہ العصر - مؤلف علی معصوم صفحہ ۴۶۲

فارسی کے متعدد تذکرہ نگاروں نے فرج اللہ کا نام بڑی عزت و عقیدت سے لیا ہے اور اسے « سرآمد بلغائے انام و فصحائے خوش کلام » قرار دیا ہے[1]

فارسی کے مشہور شاعر مرزا صائب تبریزی نے جو فرج اللہ کا ہم عصر تھا اپنے اکثر مقطعوں میں خرج اللہ کو فراج عقیدت پیش کیا ہے - ایک مقطع میں کہتا ہے

ہمیں زخاک فرج کا مراں نہ شد صائب، کہ فیض ہم بہ ظہوری ازین جناب رسید

« نتائج الا فکار »[2] کے مؤلف نے فرج اللہ کی قابلیت اور اس کی شاعرانہ عظمت کے بارے میں لکھا ہیکہ « از ولایت بہ سیاحت ملک دکن درافتا دو بخدمت سلطان عبداللہ قطب شاہ والی حیدرآباد برخورد و نقد عزت و اعتبار و ثروت بے شمار بکف در آورد ودرآخر ماہ حادی عشر رحیل منزل عقبی گشت » اس بیان کی روشنی میں یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ فرج اللہ شوستری، سلطان عبداللہ کے آخری زمانۂ حکومت میں حیدرآباد آیا اور قطب شاہی سلطنت کے آخری بادشاہ ابوالحسن قطب شاہ کے عہد میں بھی وہ حیدرآباد میں موجود تھا اور سلطنت قطب شاہیہ کے خاتمے ۱۰۹۸ھ کے بعد بھی وہ کوئی تیرہ سال تک زندہ رہا - اور ۱۰۱۱ھ میں وفات پائی - عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں حیدرآباد سے اس کی وابستگی کا ثبوت اس کے ایک شعر سے بھی فراہم ہوتا ہے جسمیں اس نے عبداللہ کا ذکر یوں کیا ہے

رشک ایران شد دکن درعہد عبداللہ شاہ ہرچہ خواہی ہست اما بادۂ شیراز نیست

فرج للہ شوستری کے فارسی دیوان کا پہلا شعر یہ ہے

اذا نا ولتنی الصہبا ء ذقہا ثم ناولہا
کزان لب تشنہ کوثر رساند بادہ دردلہا

« ریاض الشعرا » کے مؤلف نے لکھا ہے کہ اسکی نظر سے فرج اللہ کے فارسی

---

[1] ماثر الکلام ورق ۵۵ تا ۵۷ نتائج الا فکار صفحہ ۲۳۴ ریاض الشعرا ورق ۳۳۳ ب [2] نتائج الافکار ۳۳۴ تذکرہ مرزاطاہر نصرآبادی صفحہ ۳۳۴ سرو آزاد صفحہ ۹۴ نجوم السماء صفحہ ۱۵۶

کلام کا جو دیوان گذرا ہے وہ سات ہزار اشعار پر مشتمل تھا لکین ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال کے کتب خانے میں اسکے دیوان کا جو قلمی نسخہ محفوظ ہے اس میں ابیات کی تعداد ۲۰ ہزار ہے - فرج اللہ شوستری کا یہ شعر ضرب المثل بن گیا ہے

مغان کہ دائمہ انگور آب می سازند ستارہ می شکنند افتاب می سازند

فرج اللہ کا کلام پختگی معنی آفرینی اور لطافت خیال کا آئینہ دار ہے - چند اشعار یہاں پیش کئے جاتے ہیں:-

در ہوائے بادۂ گلرنک بتیا بیم ما سالہاشد کزہوا داران ایں آبیم ما
ازرہ بیا نگ ہرزہ درایاں نمی رویم کے می دہد فریب، صدائے جرس مرا
گرزیر سپہریم عجب نیست کہ دریا درزیر حبابست وفزوں ترزحباب است
ہمیشۂ می خورم ازخود شکست پنداری کہ نیمہ زدلم شیشہ نیمۂ سنگ است

بے رخت ازرنگ خود گل چوں گیاہ افتادہ است
بو میان غنچہ چوں یوسف بہ چاہ افتا دہ است

ذرہ ازبالا روی خورشید تابان کے شود مور گر بر تخت بنشیند سلیماں کے شود
گر ہمہ روزہ بادہ یار ستم سی صدوشصت وشش بہار ستم

محمد شاہ جامی

سلطان عبد اللہ قطب شاہ کے عہد میں محمد شاہ جامی نے سنسکرت کی مشہور کتاب کوک شاستر کا فارسی میں منظوم ترجمہ کیا - یہ آزاد ترجمہ ہے جس میں مصنف نے بہت سی باتوں کا اپنی طرف سے بھی اضافہ کردیا ہے-جامی کی یہ نظم ۷۰ ، اشعار پر مشتمل ہے اس کا سنہ تصنیف ۱۰۵۶ھ ہے جس کی جانب جامی نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے

زہجرت ہزار و و سی وبست وشش   رقم کردہ بودم دراں وقت خوش

نظم کے ابتدائی حصے میں جامی نے بتایا ہیکہ « کوکا » کی تصنیف (۳۴)ابواب پر مشتمل تھی لکین میں نے اس میں اضافہ کیا ہے اور میری یہ نظم (۴۱)ابواب پر حاوی ہے - وہ کہتا ہے

بگفتست کو کا سی وچار باب   کہ بود است دانشور و کامیاب
من این کاخ را پایہ افراختم   سی وپنج وشش باب در ساختم
فزودہ درو چند حکمت دگر   ہمہ آز مودہ بود این ہز

لکین ہمارے سامنے اس نظم کا جو قلمی نسخہ ہے اس میں صرف ۳۶ ابواب ہیں [1] اس نظم کی تصنیف کے سلسلے میں وہ اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے کا بھی ذکر کرتا ہے اور یہ بھی لکھتا ہیکہ اس کا مواد حاصل کرنے کی غرض سے اس نے بڑی کاوش و جستجو سے کام لیا ہے -

ز جوگی و سیاح دیدم بسے   بسے کردہ ام خدمت ہر کسے
ہمہ آز مودہ بود این ہز   درین باب کردم بسے خاک زر
کہن شاستر کوک بودہ قدیم   اگر چہ ہمہ آز مودہ حکیم
بہ اقبال شاہ زماں درزمن   سخن مردہ رازندہ کردم سخن
جہاں است سلطان عبد الہ   خدایش بہ کو نین بادا پناہ

[1] سالار جنگ لائبریری، حیدرآباد میں اسکے دو قلمی نسخے محفوظ ہیں مخطوطات فارسی سالار جنگ لائبریری فن طب ص ۵۲، ۵۳

ہمہ آز مودہ نوشتم کتاب   بیا بند تا فیض وقت شباب
ہرآن کس کہ خواند کتاب مرا   کند یاد وقت شباب مرا
کتابے ز حکمت خوشا گفتہ ام   جواناں بہ باب شما گفتہ ام

ان اشعار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جامی ایک عاشق مزاج اور آزاد مشرب انسان تھا اور اس کا عہد شباب بڑے اللے تللوں میں گذرا تھا - نظم کے ابتدائی حصے کے مطالعہ سے شاعر کے حالات زندگی کی کچھہ داخلی شہادتیں بھی فراہم ہوتی ہیں - تیرہ اشعار کی تمہید اور چودہ اشعار کی مدحت بادشاہ کے بعد لکھتا ہے کہ

شنو حال واحوال این درد ناک   کنم مبرہن بر تو با شرح پاک
بہ اطراف مشرق دریں زرق دہر   یکے ہست خوش حیدرآباد شہر
بخوبی وخرم بود چون بہشت   مگر حق بخاک بشہتش سر شت
پدر پرورش داد مادر بزاد   کہ آن شہر باشد مرا بوم زاد
بہ گیتی مرا یدک پدر نامدار   بہ املاک و اسباب در کامگار
کہ تا بودہ زندہ بہ عشرت گذشت   بہ شاہاں ہمہ عمر صحبت گذشت
قوی وتن آور بدو زور آور   دراں عرصہ چوں او نبودہ دگر
وزیر زبردست دستور شاہ   سپہ دار وآرائے تخت و کلاہ
بپاے سریر شہنیہ مدام   بخدمت کمر بستہ ہر صبح وشام
محمد قلی خسرو شیر دل   زشاہاں گرفتے بہ شمشیر دل

جامی سے پہلے بھی فارسی کے کئ شاعروں نے کوک شاستر کے منظوم ترجمے کئے ہیں لکین جامی نے ان میں سے کسی کا حوالہ نہیں دیا ھے ہوسکتا ہے کہ وہ سنکرت جانتا ہو اور اُس نے براہ راست سنسکرت سے ترجمہ کیا ہو جامی کا اندزا نگارش بہت دلکش اور زبان بہت صاف ستھری ہے

حاجی عبد العلی طالقانی

حاجی عبد العلی طالقانی سلطان عبداللہ قطب شاہ اور سلطان ابوالحسن تاناشاہ کے عہد حکومت میں ناظرالممالک کے منصب جلیلہ پر فائز تھا - اس نے اپنے منشآت و مکتوبات کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے جو سلطان عبداللہ اور اُمرائے گولکنڈہ کی جانب سے سلاطین عالم، امرائے عظام اور شہزادگان والا تبار کے نام تحریر کئے گئے تھے [1] مکتوبات کے جمع کرنے میں حسب ذیل ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے -

۱) وہ مکاتیب جو سلطان عبداللہ کی جانب سے شاہ جہان شہزادہ داراشکوہ، شہزادہ شجاع اورنگ زیب عالمگیر اور عادل شاہ کے نام لکھوائے گئے تھے -

۲) وہ مکاتیب جو مرزا نظام الدین احمد داماد سلطان عبداللہ، حکیم الملک مرزا نظام الدین احمد گیلانی میرمحمد سعید میر جملہ اور دیگر امرائے دربار کی جانب سے تحریر ہوے تھے

۳) وہ مکاتیب جو مصنف نے اپنے معاصرین کے نام تحریر کئے تھے

٤) وہ مکتوب جو سلطان ابوالحسن تاناشاہ نے اورنگ زیب عالمگیر کے نام لکھا تھا اور اورنگ زیب عالمگیر کا وہ فرمان جو مکتوب مذکورالصدر کے جواب میں ابوالحسن کو وصول ہوا تھا

۵) مشہور نثر نگاروں کی لکھی ہوئی مختلف تحریروں کے نمونے

---

[1] اس کتاب کا ایک مخطوطہ جو جمادی الثانی ۱۱۹۷ھ میں بمقام، مچھلی پٹن مکتوب ہوا ہے برٹش میوزیم میں Add ٦٦٠٠ پر محفوظ ہے (عمادیہ ص ۹۳،۹٤) سالارجنگ لائبریری میں بھی اس مجموعہ کا ایک قلمی نسخہ «انشائے عبدالعلی طالقانی» کے نام سے محفوظ ہے - ڈاکٹر ریو نے عبد العلی کو بجائے طالقانی کے تبریزی لکھا ہے

(مخطوطات فارسی برٹش میوزیم جلد اول نمبر ۳۹۸)

میر رضی دانش مشہدی

میر رضی دانش مشہد مقدس میں پیدا ہوا، اوائل عمر میں وطن مالوف سے زیارت بیت اللہ کے لئے نکلا مناسک حج ادا کرنے کے بعد پدر بزگوار سے ملاقات کرنے کے لئے جلوس عبداللہ قطب شاہ کے سولھویں سال ۱۰۵۱ھ میں حیدرآباد پہنچا اور شاہی متوسلین میں شامل ہوگیا - دانش کے والد میرابوتراب فطرت مشہدی، مشہد مقدس کے سادات رضویہ سے تھے، سلطان محمد قطب شاہ کے اوائل عہد میں ولایت سے آکر حیدرآباد میں سکونت پذیر ہوگئے تھے - ۱۰٦۰ھ میں بعہد سلطان عبداللہ قطب شاہ وفات پائی اور حیدرآباد کے ایرانی گورستان «دائرہ میرمومن» میں مدفون ہوئے - ان کی قبر آج بھی اچھی حالت میں موجود ہے [1] میررضی دانش کا شمار قطب شاہی دربار کے بڑے شاعروں میں ہوتا تھا، عبداللہ قطب شاہ کی نظر میں اُس نے خاص وقعت و مرتبت حاصل کرلی تھی، حیدرآباد میں اس کی تحریروتقریر اوراسکی شاعری کا ڈنکا بج رہاتھا کوئی پندرہ سال تک وہ حیدرآباد میں رہا اور اطمینان و فراغت کے ساتھہ شہرت و عزت کی دولت بھی اسکے حصے میں آئی - لیکن اپنے والد کی وفات کے چند سال بعد وہ حیدرآباد سے دلی روانہ ہوگیا اور دلی پہنچکر ۱۰٦۵ھ میں شاہجہاں کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا جس کا ایک مشہور شعر ہے

بخواں بلند کہ تفسیر آیئہ کرم است
خطے کہ از کف دست مبارکش پیداست

---

[1] اپنے والد کے غم جدائی میں دانش نے ایک رباعی لکھی تھی- یہ رباعی، دانش کے والد ابوتراب فطرت کے لوح مزار پر کندہ ہے

دانش مکن اعتبار بر عمر دراز کاید بہ زمان کم بسر عمر دراز
گیرم کہ چو عیسی بہ فلک بر شدۂ آید بہ چہ کار بے پدر عمر دراز

فطرت کی لوح تربت پر خود فطرت کی یہ رباعی بھی کندہ ہے -

فطرت بتو روزگار نیرنگی کرد ننواخت بہ مہرو خارج آہنگی کرد
آں سینہ کہ عالمے دروی گنجد اکنوں زتردد نفس تنگی کرد

شاہجہاں نے اس قصیدے کے صلے میں اُسے دوہزار روپے کا انعام دیا۔ اسکے بعد کچھ مدت تک شہزادۂ داراشکوہ کی ملازمت میں رہا ، داراشکوہ کی اُس پر خاص نظر عنایت تھی ایک مرتبہ درج ذیل شعر کے صلے میں، داراشکوہ نے اُسے ایک لاکھ روپے عطا کئے

تاک را سر سبز کن در ابر نیساں اے بہار
قطرہ تا مے می تواند شد چراگو ہر شود

دانش کی اس غزل کے چند اور اشعار بھی ملاحظہ ہوں -

نالۂ بلبل نہاں در پردہ برگ گل است — بے دماغم کاش ازیں یک پردہ نازک تر شود
تا بہ ذوق گریۂ مستی دریں بزم آمدیم — مے بدہ ساقی بقدر آنکہ چشمے تر شود
راز پوشیدن نیاید دانش از بیتاب عشق — در میان انجمن پروانہ خاکستر شود

دارالسلطنت دہلی میں دانش کی اس غزل کا بہت چرچا ہوا، شعرائے وقت نے اسکے جواب میں غزلیں لکھیں اور خود داراشکوہ نے بھی اس زمین میں غزل کہی جس کا ایک شعر ہے -

سلطنت سہل است خود را آشنائی فخر کن — قطرہ دریا چوں تواند شد چراگو ہر شود

میر رضی دانش دلی میں زیادہ عرصے تک نہیں رہا اور بنگالہ جاکر شہزادۂ شجاع کا ندیم بن گیا شجاع نے جب ۱۰۶۹ھ میں شکست کھائی اور پریشان ہوکر اراکان کی طرف فرار ہوگیا تو دانش دوسری مرتبہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کی خدمت میں پہنچا - سلطان عبداللہ نے ۷۲ ۰ھ میں امام رضا علیہ السلام کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لئے اسے اپنا نائب بناکر مشہد مقدس روانہ کیا اور اس خدمت کے صلے میں سالانہ بارہ ہزار تومان تبریزی اس کا وظیفہ مقرر کیا جو تا حیات اُسے ملتا رہا - اس سلسلے میں عبداللہ قطب شاہ نے جو فرمان صادر فرمایا تھا اسکی نقل ملا عبدالعلی طالقانی کے منشآت میں محفوظ ہے - دانش نے ۱۰۷۶ھ میں مشہد میں انتقال کیا - دانش کا دیوان ناپید ہے، مختلف تذکروں میں اسکے کلام کا جو انتخاب ملتا ہے اب وہی اسکی یادگار کے طور پر باقی رہ گیا ہے

« خزانۂ عامرہ » [1] کے مؤلف نے دانش کی دو مثنویوں کا بھی ذکر کیا ہے جو اُس نے کعبتہ اللہ اور روضۂ منورہ کی تعریف میں لکھی تھیں لیکن صاحب تذکرہ نے ان مثنویوں کے نام نہیں بتائے ہیں صرف اُن کے چند اشعار نقل کردئے ہیں کعبتہ اللہ کی تعریف میں رضی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں -

ز خوبی کعبہ معشوق جہات است — نشاط دلربائی رحیات است
بروئے تو نیازاں درکشادہ — چہ معشوقانہ خودرا جلوہ دادہ
جمالش عذر خواہ زحمت دشت — بگرد آں تواضع می تواں گشت

روضۂ منورہ کی تعریف میں -

ہمایوں قبۂ سر کوب افلاک — بہشت بے گمان عالم خاک
ہمہ بیگا نگاں را آشنا ساخت — چوابرو طاق محرابش خدا ساخت
زدیوارش فلک را دست کوتاہ — نمایاں تابہ عرش از سایہ اش راہ

دانش کے کلام میں علمی اور فلسفیانہ اصطلاحات اور ترکیبیں کثرت سے پائی جاتی ہیں جن سے اسکی لیاقت و فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے - فارسی کے مختلف تذکروں میں دانش کے جو اشعار نقل کئے گئے ہیں انہیں میں سے چند اشعار یہاں پیش کئے جاتے ہیں:-

نہ شد کہ بوسہ بہ پائے ہدف چو تیر دہم — گذشت عمر بہ خمیازۂ کمان مرا
ذخیرہ بردلم از چشم اشکبار نماند — شکست شیشۂ سیماب در کنار مرا

بوئے گل شد فیض بخش اے ہوش وقت بیخودی است
یک نفس بگذر در سیر چمن تنہا مرا
چوں سر زلفش بدستم افتد از خود میروم
ہمچو طفلاں اول شب خواب می آید مرا

---

[1] « تحفتہ الکرام » جلد دوم صفحہ ۱۹۹
« سرو آزاد » صفحہ ۵۱، ۲۰۲
« نتائج الافکار » صفحہ ۱۶۴
« مراۃ الخیال » صفحہ ۱۶۸
« خزانہ عامرہ » صفحہ ۲۱۷

وعدهٔ هم صحبت آن روز محشر است
دیر می آید قیامت گشت تنهائی مرا

در راه انتظار چو مژگان نشسته ایم
بر آستان خانهٔ ما جائے ما بس است

دست گلچیں قتل عام لالۂ و گل می کند
باغباں در پائے گلچیں مست خواب افتاده است

مرا که خندهٔ گل سر بدردمی آرد
دماغ گریۂ بلبل دریں بہار کجاست

ما و بلبل عرض چاک سینه می کردیم دوش
ناز پرورد گلستاں زخم خارے هم نداشت

گر سرمه لاف نسبت مژگاں زند بجاست
از خاک برگرفتۂ چشم سیاه اوست

در بزم کنم سیر که جائے دگرے نیست
از حلقه بروں چوں قدح مے سفرے نیست

چناں بینم که مے را محتسب بر خاک می ریزد
که می ریزد دلم برگے اگر از تاک می ریزد

چه ساں انه قدر ایں صیاد آزادی هوس باشد
که پرواز بلندم تا لب بام قفس باشد

پرده بر عیب خود از دامن صحرا پوشد
هر که از سلسلۂ اہل جنوں رسوا شد

دلت فصل خزاں گر خار خار جوش گل دارد
بگیر آئینه در کف تا بہار رفته بر گردد

نمی دانم چه صیادی که زیر تیغت آہورا
چو چشم دلبراں از زیر ابرو خواب می آید

ز ساقی باده می گیرم به پائے تاک میریزم
ندارم فکر خود ، میخانه را آباد می سازم

سیه شد بختم از مژگاں سیاہاں ندیم راستی زیں کج کلاہاں
به امید وصالت در شب ہجر نمی خوابم چو خون بے گناہاں
بگذار تا به عکس تو عکس آشنا کنم گلگشت باغ آئینه تنها چه می کنی
اے که می خواہی مرادت از چمن حاصل شود بلبلے را از قفس در جوش گل آزاد کن

« تذکرهٔ شعرا » میں نصر آبادی نے مقیما کے نام سے جو اشعار نمونے کے طور پر پیش کئے ہیں اُن میں سے نیچے کے تین اشعار کے علاوہ سبھی شعر دوسرے تذکره نگاروں کے ہاں پائے جاتے ہیں[1]

چشم بر راه نسیم خوش خبر داریم ما همچو بوئے گل عزیزے در سفر داریم ما
نگاهد او ز مئے حسن پاکدامن را چه احتیاج به آتش چراغ روشن را
راه دور هند پابست وطن دارد مرا چوں حنا شب درمیاں رفتن به هندستاں خوش است

---

[1] « تذکرهٔ شعرا » میں طاہر نصر آبادی نے دانش کے تمام اشعار کو یہاں تک که اُس مشہور شعر کو بھی جس پر دارا شکوه نے ایک لاکھ روپے کا صله دیا تھا مقیما کے ساتھ منسوب کیا هے - طاہر نصر آبادی نے اپنا تذکره ۱۰۸۳ ه میں مرتب کیا تھا مقیما کے بیان میں طاہر نے لکھا هے که مقیما ہنوز بقید حیات هے طاہر نے مقیما کے تعلق سے جو کچھ لکھا ہے اس کا لب لباب یه هے که « مقیما اپنے والد ابوتراب کے ساتھ اپنے وطن مشہد مقدس سے ہندوستان گیا جہاں اسکے والد کا انتقال ہو گیا مقیما ایک عرصهٔ دراز تک شاہجہاں کی خدمت میں رہا بادشاه اور امرائے دربار اُس پر بے انتہا مہربان تھے - اُسکے بعد طاہر نے دانش کے اس شعر کا ذکر کیا ہے جس پر داراشکوه نے اُسے ایک لاکھ روپے دئے تھے - اور پھر اسکے دکن جانے ، عبد الله قطب شاه کے دربار سے وابسته ہونے اور بالآخر بادشاه کے نائب کی حیثیت سے مشہد مقدس لوٹنے کا وہی احوال سپرد قلم کیا هے جو فارسی کے دوسرے تمام تذکروں میں ملتا ہے - فرق صرف تواریخ اور زمانے کا ہے - اسکے علاوه ایک اور فرق یه هے که دوسرے تذکره نگاروں نے دانش کا سنه وفات ۱۰۷۶ ه بتایا ہے اور طاہر نے ۱۰۸۳ ه میں لکھا هے که مقیما ہنوز بقید حیات ہے - ان تمام باتوں سے ایک

ہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ سفر ہند سے پہلے یا پھر ہندوستان سے ایران لوٹنے کے بعد میرضی نے مقیما تخلص اختیار کیا ہو اور اس بنا پر طاہر نصر آبادی نے جو مقیما اور دانش کا ہم عصر تھا، اپنے تذکرہ میں اس کا ذکر مقیما کے ذیل میں کیا ہو۔چونکہ دانش یا مقیما کا دیوان ناپید ہے اور مختلف تذکروں میں اس کے جتنے اشعار ملتے ہیں اُن میں مقطع ایک بھی نہیں ہے اس لئے قیاس کہتا ہے کہ میرضی ایران میں مقیما کی حیثیت سے مشہور رہا ہوگا اور اسی لئے طاہر نصرآبادی نے بھی اُس کا ذکر مرزا رضی مقیما کی حیثیت سے کیا ہے

ابن عماد روز بہان اصفہانی

عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ابن عماد روز بہان اصفہانی نے اپنے استاد ومرشد بہاءالدین عاملی کے کشکول کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام « خرقۂ علما » رکھا جو سات جلدوں پر مشتمل ہے [1] ابن عماد نے « خرقۂ علما » کے دیباچے میں لکھا ہے کہ « از اتفاق حسنہ و توفیقات مستحسنہ کہ تاریخ اتمام تالیف ایں مجموعہ « خرقہ علما » شدہ « خرقہ علما » کے اعداد ۱۰۴۶ ہوتے ہیں یعنے ابن عماد نے یہ ترجمہ ۱۰۴۶ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا ابن عماد نے اپنے دیباچے میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں حیدرآباد پہنچا اور یہیں اُس نے یہ مجموعہ فارسی میں منتقل کیا۔ اسکے بعد « خرقہ » کے نفس مضمون پر روشنی ڈالتے ہوئے اُس نے بتایا ہے کہ مولانا بہاءالدین عاملی کے ساتھ میرا رشتۂ اعتقاد و تلمذ رہا ہے اور بچپن اور جوانی کے زمانے میں اُن سے میں نے استفادہ کیا ہے انھوں نے ہمیشہ میرے ساتھ لطف و مہربانی کا سلوک کیا اور جب مولانا کا سفر حجاز کے دوران میں انتقال ہوگیا تو میں نے ان کی اس تالیف کو ترتیب دینے کا ارادہ کیا اور پھر اسے اس طرح ترتیب دیا کہ پڑھنے والے آسانی سے سمجھ سکیں ،

ابن عماد نے « کشکول » کے مختلف و منتشر مضامین کو نفس مضمون کے اعتبار سے سات علحدہ ابواب یا جلدوں میں مرتب کیا اور جابجا اپنی طرف سے کچھ اضافے بھی کئے ہیں اسکی چوتھی جلد علمی و ادبی مسائل ومضامین پر مشتمل ہے

ابن عماد، فارسی کا ایک نغزگفتار شاعر بھی تھا عبداللہ قطب شاہ کے زمانے کی مشہور تاریخ « حدائق السلاطین » میں ابن عماد کا کئی جگہ ذکر آیا ہے اور مختلف شاہی تقاریب، عمارات کی تعمیر اور جشن چراغاں وغیرہ کے مواقع پر کہے ہوئے ابن عماد کے قطعات اور اشعار کو نقل کیا گیا ہے ۔

[1] «خرقۂ» (اوراق ۴۱۱) مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری حیدرآباد کشکول ۴ جلد اول، منتخب التفاسیر ۔ جلد دوم مسلک المحدثین جلد سوم مجمع الدقائق (مسائل فقہ) جلد چہارم کاشف الابرار جلد پنجم معتقد المومنین (مشتمل بہ الہیات ونبوت وامامت ومعاد وغیرہ) جلد ششم ز بدۃ العلوم (علمی اور ادبی مسائل و مضامین ۔ جلد ہفتم (در رالطبایع)

رونقی ہمدانی

سلطان عبد اللہ قطب شاہ کے دربار سے ایران کا ایک نامور شاعر رونقی ہمدانی بھی کچھ مدت تک منسلک رہا عبد اللہ کے تخت نشینی کی تہنیت میں اُس نے کئی قصیدے اور تاریخیں لکھیں۔ رونقی ہمدان کا باشندہ تھا اُس کا تعلق ابوطالب کلیم کے خاندان سے تھا جوعنفوان شباب میں ہندوستان آیا خواجہ ابوالحسن بخشی الملک کی ملازمت اختیار کی ۱۰۲۵ھ میں اس کی ملاقات «میخانہ» کے مؤلف ملا عبدالنبی فخرالزمانی، سے ہوئی اس وقت اسکی عمر ۲۷ سال کی تھی۔ «نشتر عشق» میں لکھا ہے کہ رونقی ۱۰۲۶ھ میں عراق واپس چلاگیا، چند سال بعد پھر ہندوستان آیا اور حیدرآباد پہنچکر سلطان محمد قطب شاہ کے دربار سے وابستہ ہوگیا۔ طاہر نصر آبادی نے [1] «تذکرۂ شعرا» میں لکھا ھے کہ رونقی شاعری میں ابو طالب کلیم اور اختری سے ہم طرح ہوتا تھا، عراق سے ہوتا ہوا ہندوستان گیا اور وہیں انتقال کیا، رونقی کے حالات زندگی پردۂ گمنامی میں ہیں، متعدد تذکروں میں اس کا ذکر ملتا ہے لیکن بہت اختصار کے ساتھہ جن سے صرف یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دوسری مرتبہ جب اُس نے ہندوستان کا رخ کیا تو حیدرآباد پہنچا اور سلطان محمد قطب شاہ کے دربار سے وابستہ ہوگیا اور پھر عبد اللہ قطب شاہ کے زمانے میں بدستور قطب شاہی دربار سے وابستہ رہا۔ عبد اللہ قطب شاہ کے زمانے کی مستند تاریخ «حدائق السلاطین» [2] سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ رونقی، سلطان محمدکے دور حکومت میں حیدرآبادآیا اور جب عبد اللہ قطب شاہ تخت سلطنت پرمتمکن ہوا تو اُس نے ایک قطعۂ تاریخ لکھا اور اُس مصرع سے مادۂ تاریخ نکالا۔

مزین شد جہانے ازجلوس شاہ عبداللہ ۱۰۳۵ھ

اسکے معنے یہ ہیں کہ ۱۰۳۵ھ میں رونقی زندہ تھا اور حیدرآباد میں سکونت پذیر تھا۔ اس بین شہادت کے پیش نظر «مجمع النفائس» کا یہ بیان غلط قرار پاتا ہے کہ رونقی نے ۱۰۳۱ھ میں وفات پائی

[1] «تذکرۂ شعرا» طاہرنصر آبادی ورق ۹۷ ب

[2] «حدائق السلاطین» صفحہ ۲۸

رونقی کا کلام ناپید ھے تذکرہ نگاروں نے بھی اُس کے دیوان یا کلیات کے بارے میں کوئی نشاندہی نہیں کی ھے۔

میر صابر صفاہانی نے جب عرفی شیرازی کے استخوان، لاہور سے نجف اشرف روانہ کئے تو رونقی نے اس واقعہ کی حسب ذیل تاریخ لکھی جو«خزانۂ عامرہ» میں نقل کی گئی ھے۔

یگانہ گوہر دریائے معرفت عرفی — کہ آسماں پئے پرورد نش صدف آمد
چو عمر اوبسر آمد زگردش گردوں — شکست بر دیر دلہائے پر شغف آمد
بگوش چرخ رسانید حرف جانسوزے — کہ عمرم ازتو چوں در معرض تلف آمد
«بکاوش مژہ از گور تانجف بروم» — نگفتہ تیر دعائی و بر ہدف آمد
رقم زداز پئے تاریخ رونقی کلکم — بکاوش مژہ از ہندتا نجف آمد

قسمت مشہدی

« تذکرۂ شعرا »[1] میں فارسی کے ایک شاعر قسمت مشہدی کا ذکر ملتا ہے جو عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں حیدرآباد پہنچا آخر عمر تک یہیں سکونت پذیر رہا اور اسی سرزمین میں پیوند خاک ہوا۔اس کا نام قاسم تھا، قسمت تخلص کرتا تھا اس کے حالات زندگی پردۂ گمنامی مین ہیں - اسکی زندگی کے صرف ایک عجیب و غریب واقعہ کا پتہ چلتا ہے جس کا ذکر طاہر نصرآبادی نے « تذکرۂ شعرا » میں اس طرح کیا ہے کہ « درملک حیدرآباد بملک حیدر ملک حمزہ سیتانی پیش زاغ قہوہ چی عاشق بود، در قہوہ خانہ غزلے با ملا قسمت طرح می کرد، برسر معنی شعرے کہ ملا قسمت غلط فہمیدہ بود فسادے عظیمے در قہوہ خانہ شد - نزدیک بود کہ خونے واقع شود، آن رند کمینہ، سعی بیار در اطفاء آن آتش فساد کرد ملا قسمت عصر آں روز بیمار شد و روز دیگر فوت شد» طاہر نصرآبادی نے یہ بھی لکھا ہے کہ قسمت مشہدی طلا کوبی کے فن میں ماہر تھا لیکن شاعری کے شوق کی وجہ سے کہ کاہلی اس کا لازمی نتیجہ ہے اس پیشے کو سرانجام نہ دے سکا « تحفتہ الکرام»[2] کے مؤلف نے بھی طاہر نصرآبادی کے اس بیان کو دہرایا ہے کہ « قسمت تخلص نام محمد قاسم - درفن طلا کوبی ماہر بود » ان دو تذکروں کے علاوہ کسی اور تذکرے یا تاریخ میں قسمت کا حال ہماری نظر سے نہیں گذرا -

طاہر نصرآبادی نے قسمت کے چند اشعار بھی نقل کئے ہیں اور غالبا یہی اشعار اب اسکی یادگار رہ گئے ہیں -

درہوس ہر کہ از پئے دل رفت — سحر ہوشش بہ باد باطل رفت
گرد دل اول شکست زورق ما — آخر از شش جہت بہ ساحل رفت
چہ واقعست کہ باغیر صد سخن داری — بہ پیش ما چو رسی مہر بر دہن داری

[1] « تذکرۂ شعرا » طاہر نصرآبادی ورق ۱۳۱ ب
[2] « تحفتہ الکرام » جلد دوم صفحہ ۱۷۶

سالک یزدی

فارسی کا ایک مشہور اور صاحب دیوان شاعر سالک یزدی بھی عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں حیدرآباد آیا اس کا مولد یزد تھا - ابتدائی زندگی شیراز میں بسر کی - پھر درویشی اختیار کرلی اور اصفہان میں مدت دراز تک قیام کرنے کے بعد ہندوستان کا رخ کیا اور حیدرآباد پہنچکر عبداللہ قطب شاہ کے دربار سے وابستہ ہوگیا - عام طور سے فارسی شعرا کے تذکروں میں اس کے سفر حیدرآباد کا ذکر نہیں ملتا - البتہ « تذکرۂ شعرا »[1] کے مؤلف نے اس کے سفر دکن کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے علاوہ خود سالک کے دیوان سے ایسی داخلی شہادتین فراہم ہوتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں حیدرآباد آیا تھا - لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ عرصے تک حیدرآباد میں نہیں رہا - ایک روایت کے بموجب جس کا ذکر « تذکرۂ شعرا » میں بھی کیا گیا ہے، جس وقت دکن سے مغل باشندوں کا اخراج عمل میں آرہا تھا سالک یزدی بھی حیدرآباد سے شاہجہاں آباد چلا گیا جہاں ملا شفیعائی یزدی المخاطب دانشمند خاں[2] نے ، جو اس کا ہم وطن بھی تھا اسکی پذیرائی کی اور اس کے توسط سے وہ ۱۰۷۷ھ میں شاہجہاں کے دربار میں باریاب ہوا - اس امر سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ۱۰۷۷ھ سے پہلے وہ حیدرآباد میں تھا - ایک اور ماخذ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۰۶۰ھ میں وہ حیدرآباد میں موجود تھا کیونکہ اسی سال عبداللہ قطب شاہ کے میر جملہ میر محمد سعید اردستانی نے جنوبی ہند کا سب سے مستحکم قلعہ کنڈی کوٹہ مسخر کیا تھا اور کئی شاعروں نے اس فتح کے تاریخی قطعات لکھے تھے اور سالک یزدی نے بھی قلعہ کنڈی کوٹہ کی تاریخ اس مصرع سے

[1] « تذکرۂ شعرا » ورق ۱۴۲ [2] ملا شفیعائی یزدی المخاطب بہ دانشمند خاں عہد شاہجہاں میں منصب سہ ہزاری پر فائز تھا - عالمگیر کے عہد میں اُس کا مرتبہ و اعزاز اور بڑھ گیا اُسے پنج ہزاری منصب سے نوازا گیا اور میر بخشی کا عہدہ جلیہ عطا کیا گیا - اس نے ۱۰۸۱ھ میں وفات پائی

نکالی تھی ع« فاتح قلعہ ، علی بود ، علی بود ، علی » [1] بہر حال یہ امر مسلم ہے کہ سالک یزدی ۱۰۶۰ھ میں یا اس سے پیشتر حیدرآباد آیا تھا اور ۱۰۷۷ھ سے قبل وہ یہاں سے چلا گیا ۔ اس کے دیوان کا ایک نایاب قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد میں محفوظ ہے یہ دیوان غزلوں اور رباعیوں پر مشتمل ہے جن میں بعض رباعیاں عبداللہ قطب شاہ کی تعریف و توصیف میں ملتی ہیں صاحب « سرو آزاد » نے اس کا سنہ وفات ۱۰۸۱ھ لکھا ہے ۔ [2] دھلی میں مدفون ہوا ۔ سالک نے اپنی بعض رباعیوں میں دکن کا بھی خاص انداز میں ذکر کیا ہے ۔

در ملک تلنگانہ کہ خاطر خواہ است
ہر ذرہ ز فرشاہ مہر و ماہ است

گویند جہاں جہاں مبارکبادی
سال نو و دور عبداللہ شاہ است

اے قطب شہاں کہ دولت افزاید
سر رشتہ عمر تو ابد پیماید

این رشتہ چو زلف ماہرویاں دائم
از ہر گرہش ہزار دل یکشاید

اے قطب جہاں مدار ، خورشید آثار
ہر سال در رشتہ ات آید بہ کنار

یارب کہ ہزار سال باقی باشی
یک رشتہ ہزار دانہ دارد درکار

---

[3] « حدیقۃ السلاطین [4] « سرو آزاد » صفحہ ۱۱۰

ایک رباعی میں اس نے بڑے مزے سے تاڑی کے درخت کی تعریف کی ہے ۔ کہتا ہے تیرہ دلان ہند اس درخت کو تار کا درخت کہتے ہیں (تار بہ معنی تاریکی) لیکن خدا کی قسم یہ درخت « تاری » کا نہیں بلکہ « یاری » کا ہے یعنی اس میں بڑی محبوبیت ہے ، اور یہ سرو کے مانند سہی قد ہے ۔ رباعی ملاحظہ ہو ۔

آن سرو سہی قد کہ نہال تاری است
بر برگ ز سر نوشت او طوماری است

این تیرہ دلان ہند تارش خوانند
ورنہ بخدا کہ این درخت یاری است

سالک یزدی کی غزلوں کے چند اشعار نمونے کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں ۔

ز برق آہ می سوزم سراپا کوہ و صحرارا
بہ اشک تلخ می گویم جواب شور دریا را

دوستاں در بوستاں چوں عزم گل چیدن کنید
اول از یاران دور افتادہ یادمن کنید

میر غلام علی آزاد نے « سرو آزاد » میں لکھا ہے کہ « سالک کا کلام شستہ و ہموار ہے » اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ حکیم رکنا کاشی کہتا تھا کہ اگر تمام عالم کے اشعار ایک طرف رکھیں اور سالک کا یہ شعر دوسری طرف ، اور مجھکو ممیز قرار دیں تو میں سالک کے اس شعر کو ان سب پر ترجیح دوں گا وہ شعر یہ ہے ۔

از بس بہ دشت کردہ ام آشفتہ نالہا
چوں زلف دلبراں شدہ شاخ غزالہا

سالک کے کچھ اور اشعار ملاحظہ کیجئے -

شکست شیشۂ خاطر ز ساغرم پیداست
چو لالہ داغ دل از کاسہ ام پیداست

جواب نامۂ من غیر نا امیدی نیست
ز دست سو دن بال کبو ترم پیداست

در ہوائے عشق پروردم دل دیوانہ را
چوں سپند از بہر آتش سبز کردم دانہ را

سالک یزدی نے سلطان عبداللہ قطب شاہ، شیخ محمد بن خاتون اور میر محمد سعید میر جملہ کی مدح میں متعدد قصائد لکھے جو اسکے دیوان میں شامل ہیں میر جملہ کے مدحیہ قصائد میں اُس نے زیادہ تر کرناٹک کی فتوحات کا تذکرہ کیا ہے سالک کے قصائد و غزلیات پر مشتمل ایک نایاب دیوان حیدرآباد کی سنٹرل لائبریری میں فارسی دواوین کے نمبر ٤٠٤ پر محفوظ ہے -

خلقی شوستری

ایران کا ایک عالم و فاضل ادیب و شاعر شیخ عبداللطیف خلقی شوستری دوسری مرتبہ ١٠٢٢ھ میں سلطان محمد قطب شاہ کے عہد میں حیدرآباد آیا اور آخر عمر تک یہیں سکونت پذیر رہا پہلی مرتبہ وہ ٩٩٧ھ میں حیدرآباد آیا تھا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد واپس چلا گیا تھا - حیدرآباد سے جانے کے بعد ٢٥ سال کا طویل زمانہ اس نے کہاں گذارا اور کیا کرتا رہا اس کے بارے میں کوئی علم حاصل نہ ہوسکا بہر حال ١٠٢٢ھ میں جب دوبارہ وہ حیدرآباد آیا تو مدرسۂ دارالشفاء میں منصب تدریس پر مامور ہوا - عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں اس نے ترقی کی اور بادشاہ کے زمرۂ ملازمین میں شامل ہو گیا - علم جفر اور علم اعداد میں بھی اسے بہرۂ کامل حاصل تھا بعض اوقات سلطان عبداللہ ، علمی کتابوں کی تصحیح اور مقابلے کا کام اس کے تفویض کرتا اس نے قصیدہ و غزل ، قطعہ و رباعی اور مثنوی غرض ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی - حدیقۃ السلاطین کا بیان ہے کہ نواب علامی پیشوا الزماں نے سلطان محمد قطب شاہ اور اس کے دربار کے اعیان و اکابر کی مدح میں جو تذکرہ لکھا ہے اسمیں خلقی کے فضائل و کمالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس کے قصاید و قطعات اور ترکیب بند کو جو سلطان محمد کی تعریف میں ہیں نقل کیا ہے لیکن اب نہ وہ تذکرہ دستیاب ہوتا ہے اور نہ خلقی کے کلام کا پتہ چلتا ہے- صاحب حدیقۃ السلاطین کے بموجب خلقی نے ١٠٤٧ھ کے اوائل میں انتقال کیا - حدیقۃ السلاطین کے مؤلف نے خلقی کا ایک قطعۂ تاریخ نقل کیا ہے جو اس نے عہدۂ سرخیلی پر میر فصیح الدین آصفجاہی کے تقرر کے موقع پر لکھا تھا - خلقی کے کلام کا صرف یہی ایک نمونہ ہماری نظر سے گذرا ہے جسے یہاں پیش کیا جاتا ہے -

از روشنی شمع شبستان سلطنت مہ در حجاب بود نہاں تا بہ صبحگاہ
باصد ہزار شمع کواکب سپہر پیک ہمراہ پالکی زر اندودہ شد براہ

بیان اصفہانی

آقا مہدی نام ۔ بیان تخلص ۔ ابوطالب کلیم کا ہمشیر زادہ تھا ۔ اصفہان میں علوم وفنون کی تحصیل کی۔عالمگیر کے زمانے میں ہندوستان آیا ۔ دہلی اور آگرہ میں کچھ دنوں ٹھہرتا ہوا حیدرآباد پہنچا ۔ عبداللہ قطب شاہ کے دربار میں باریاب ہوا ۔ اور منصب پایا ۔ تذکرہ نگاروں نے بیان کے بارے میں مختلف اور متضاد باتیں لکھی ہیں۔ « نتائج الافکار » اور[1] «تذکرہ بے نظیر» میں اسکے حیدرآباد آنے کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ یہ لکھا گیا ہے کہ « وطن سے نکل کر کشمیر پہنچا۔ کچھ عرصہ بعد دریائے شور کے راستے وطن لوٹنے کے ارادے سے نکلا جس سواری سے سفر کررہا تھا اتفاقاً اس میں آگ لگ گئی اور ہلاک ہوگیا » لیکن « ریاض الشعرا »[2] اور «محبوب الزمن » نے بہت یقین کے ساتھ اس کے دکن آنے کا ذکر کیا ہے ۔ صاحب « ریاض الشعرا » نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ آخر عمر تک وہ حیدرآباد ہی میں رہا اور ۱۱۰۰ھ کے اواخر میں انتقال کیا۔ قطب شاہی تواریخ اور تذکروں میں اس کا حال نہیں ملتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ قطب شاہ کی حکومت کے آخری زمانے میں وہ حیدرآباد آیا اور قطب شاہی سلطنت کے خاتمے کے بعد بھی چند سال تک زندہ رہا ۔ البتہ اس کے اعلی اوصاف اور اس کی علمی اور شعری استعداد کے بارے میں تمام تذکرہ نگار متفق ہیں اور اسے ایک ذہین، خوش مزاج، لطیف الطبع اور خود دار انسان بتاتے ہیں اور جامع علوم و فواضل اور صاحب کمال شاعر قرار دیتے ہیں اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :۔

آنکہ کج بہر ستم ساختہ شمشیر ترا راست کر داست برائے دل ماتیر ترا
خدنگت بہر غم وامی گذارد اگردر سینہ ام جامی گذارد
گذشت تیر جاناں را ہلا کم کہ پیکاں را بہ دل وامی گذارد
ازان خار سررا ہم بکویت کہ آنجا مدعی پا می گذارد

[1] «نتائج الافکار» صفحہ ۷۳ [2] « ریاض الشعرا » صفحہ ۱۱۶ م
[1] « حدیقتہ السلاطین » صفحات ۱٤٥ ، ۲۲۲

مرزا حمزہ استر آبادی

سلطان محمد قطب شاہ کے عہد حکومت میں فارسی کا ایک عالم اور شاعر میرزا حمزہ استر آبادی ۱۰۰۰ھ کے قریب ایران سے حیدرآباد آیا تھا[1] وہ فارسی کے مشہور عالم مرزا بیگ قندرسکی کا بھتیجا تھا ۔ میر محمد مومن کے فرزند میر مجدالدین محمد کی لڑکی سے اُس کا عقد ہوا ۔ پیشوائے سلطنت میر محمد مومن کے توسط سے بادشاہ کے دربار میں رسائی حاصل کی اور ٦۰ ہزار ہون کی جاگیرات سے سرفراز ہوا ۔ عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور رہا شریف الملک ملا محمد تقی تفرشی کے انتقال(۱۰٤۰ھ) کے بعد ۲٤ ذی الحجہ ۱۰٤۰ھ کو عہدۂ سرخیلی اس کے تفویض کیا گیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا حمزہ کو، علامہ ابن خاتون پسند نہیں کرتے تھے اس لئے وہ صرف تین مہینے دس دن تک عہدۂ سرخیلی پر کارگذار رہ سکا اور ۳/ربیع الاول ۱۰٤۰ھ کو اسے برطرف کردیا گیا اور اسکی جگہ ابن عماد روز بہان اصفہانی کا تقرر ہوا۔ سلطان عبداللہ کی نظر میں مرزا حمزہ کی بہت وقعت و عزت تھی ۔ بادشاہ نے اسے اپنے زمرۂ متوسلین میں شامل کرلیا ۔ اسی زمانے میں فیروز خاں ترک کا انتقال ہوگیا اور سلطان عبداللہ نے فیروز خاں کی ایک لاکھ کی جاگیر مرزا حمزہ کو عطا کردی اور پھر اسے اس قافلے کے استقبال کیلئے روانہ کیا جو شہزادی خدیجہ سلطان شہر بانو بیگم کو سلطان محمد عادل شاہ والئی بیجاپور سے بیاہنے کیلئے حیدرآباد آرہا تھا ۔ اس کے بعد ۱۰٤٤ھ میں سلطان عبداللہ نے مرزا حمزہ کو ولایت مرتضے نگر کا سرلشکر مقرر کردیا مرزا حمزہ نے ماہ شوال ۱۰٤۸ھ میں انتقال کیا ۔ وہ فارسی کا ایک عمدہ انشا پرداز اور شاعر تھا لیکن اسکی نگارشات نا پید ہیں « حدیقتہ السلاطین » کے مؤلف نے اس کی شاعری اور انشا پردازی کا ذکر کیا ہے[2] وہ لکھتا ہے کہ ,, عبداللہ قطب شاہ کے سولھویں سنہ جلوس یعنی ۱۰۵۰ھ میں دھوم دھام سے جشن

[1] « نتائج الافکار » صفحہ ۷۳ [2] « ریاض الشعرا » صفحہ ۱۱٤٦
[2] « حدیقتہ السلاطین » صفحات ۱٤٥، ۲۲۲

چراغاں منایا گیا ۔ یہ جشن ہر سال منایا جاتا تھا لیکن اس سال اس کے منانے میں خاص اہتمام برتا گیا اور تین دن تک جی کھول کر داد عیش وطرب دی گئی ۔ موسی ندی بھر پور چل رہی تھی تمام حوض اور چشمے لبالب بھرے ہوے تھے ندی کے کنارے کی عمارتوں کو سجاکر دلہن بنادیا گیا تھا شہر حیدرآباد، فردوس برین کا نمونہ بنا ہوا تھا ۔ خصوصاً آتش بازی کا منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا ۔ میں نے چاہا کہ اس جشن اور مجلس آرائی کی تعریف میں کچھ لکھوں لیکن مرحوم ملا حمزہ نے ایسے ہی ایک جشن کی تعریف میں ایک عمدہ نظم لکھی تھی جو میری نظر سے گذر چکی تھی اور بادشاہ کو بھی پسند تھی اس لئے میں اپنے اس ارادہ سے باز آیا۔

علامہ ابن خاتون العاملی

سلطان عبد اللہ قطب شاہ کے پیشوا شیخ محمد ابن خاتون العاملی اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور شاعر تھے انہوں نے شیخ بہاء الدین العاملی کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا تھا اور بعض علوم میں میرمحمد مومن سے بھی تلمذ حاصل کیا تھا اور ان کے زمرۂ معتقدین میں شامل ہوگئے تھے میر محمد مومن کے انتقال پر انہوں نے عربی اور فارسی میں بڑے پر اثر مرثئے لکھے جن سے میر محمد مومن کے ساتھ ان کی گہری عقیدت و وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے [1]

ان کا پور نام شیخ شمس الدین ابوالمعالی محمد بن علی بن خاتون العاملی ہے۔ وہ جبل عامل کے قریۂ غیاث میں پیدا ہوئے ۔ اصفہان میں علوم وفنون کی تکمیل کی سید العلماء شیخ بہاء الدین محمد بن حسین العاملی المتوفی ۱۰۲۱ھ کے شاگرد تھے سلطان محمد قطب شاہ کے اوائل عہد میں ایران سے گولکنڈہ آئے ۔ بادشاہ نے انکی بڑی عزت و توقیر کی ۔ ندیمان مجلس میں شامل کرکے منصب دبیری پر سرفراز فرمایا ۔ ۱۰۲۵ھ میں سفیر بناکر حسین قبچاقی سفیر شاہ عباس کے ہمراہ ایران بھیجا ۔ اور شاہ عباس کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے بے شمار تحائف و ہدایا ان کے ساتھ دئے ۔ علامہ ابن خاتون گیارہ سال کے بعد اس سفر سے واپس آئے ۔ اس وقت سلطان محمد قطب شاہ کا انتقال ہو چکا تھا ۔ اور سلطان عبد اللہ تخت سلطنت پر متمکن تھا ۔ سلطان عبد اللہ نے اپنی والدہ حیات بخشی بیگم کی سفارش پر شاہ محمد ولد شاہ علی عرب پیرزادہ کو پیشوائے سلطنت مقرر کیا تھا لیکن شاہ محمد میں مہمات سلطنت کو انجام دینے کی صلاحیت نہیں تھی اس لئے سلطان عبد اللہ نے علامہ ابن خاتون کو ان کا نائب مقرر کر دیا جلوس کے چوتھے سال ۱۰۳۸ھ میں عدم خیرخواہی اور خیانت کے الزام میں شاہ محمد کو معزول کردیا گیا اور علامہ ابن خاتون منصب پیشوائی پر مامور ہوئے ۔ مولانا نظام الدین احمد الصاعدی شیرازی نے اُن کی تنہیت میں حسب ذیل قطعہ تاریخ لکھا :۔

---

[1] « دبستان » طبع بمبئی صفحہ ۲۰۴

شہ یوسف رخ و جمشید حشمت   کہ حاتم می کند از وے گدائی
زفرط مرحمت کردہ است ممکن   محمد را بصدر پیشوائی
متاع فضل و دانش بود کاسد   کنوں بگرفت درعہدش روائی
جہاں معمور گردیدہ بداں ساں   کہ شد محو از خلائق بے نوائی
برالہام آمد این مصرع تاریخ   محمد یافت از حق پیشوائی

۱۰۴۳ھ میں بادشاہ نے علامہ ابن خاتون کو میر جملہ کے عہدہ پر سرفراز فرمایا اور ان کے خواہر زادہ عمدۃ المشائخ شیخ محمد طاہر کو منصب سرخیلی عنایت کرکے ان کا نائب قرار دیا - علامہ ابن خاتون نے یہ خدمت کم و بیش گیارہ سال انجام دی - صاحب « دبستان » کا بیان ہیکہ[۱] ۱۰۵۸ھ میں حج بیت اللہ کیلئے حیدر آباد سے نکلے ساحل عرب پر بندر مخا میں جہاز سے اترنے کے بعد ۱۰۵۹ھ میں ان کی روح پرواز کر گئی بر خلاف اس کے مراز محمد طاہر نصر آبادی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ ابن خاتون نے دکن میں وفات پائی - مرزا اسد عریان کو اپنا وصی بنایا جو شیخ کا مال و متاع لیکر حیدرآباد سے ایران پہنچا اور شیخ کے ورثاء میں نہایت دیانتداری سے تقسیم کیا اس وقت جو شاہد موجود تھے ان میں خود طاہر نصر آبادی بھی شامل تھا - شاہجہاں کے وزیر اعظم مرزا ابوالحسن آصف خاں[۲] سے علامہ ابن خاتون کی بہت دوستی تھی اور اسی کی وجہ سے دربار مغلیہ میں انکو بے حد رسوخ حاصل تھا - قطب شاہی مقبوضات کے بعض سرحدی علاقوں پر مغلیہ فوج نے قبضہ کرلیا تھا لیکن علامہ ابن خاتون کی خاطر شاہجہاں نے ۱۰۴۰ھ میں یہ علاقے عبداللہ قطب شاہ کو واپس کردئے - علامہ ابن خاتون مہام سلطنت اور امور مملکت کی کثرت اور دو وقتہ بارگاہ سلطانی کی حاضری کے باوجود روزانہ علی الصبح اپنے گھر پر مجلس درس منعقد کیا کرتے تھے اور مجلس میں شہر کے قضاۃ، علما، فضلا، صلحا، شعراء، امرا و دیگر اعیان و اکابر شریک ہوتے تھے

---

[۲] مرزا ابوالحسن یمین الدولہ آصف خاں شہنشاہ جہانگیر کے امیر کبیر اعتماد الدولہ کا فرزند، نور جہاں بیگم کا برادر ممتاز محل ارجمند بانو بیگم کا والد تھا - جہانگیر اور شاہ جہاں کے عہد میں وزارت و وکالت کے عہدہ ہائے جلیلہ اسکے تفویض تھے - شاہجہاں کے پندرھویں سال جلوس میں ۱۷ شعبان ۱۰۵۱ھ کو اس کا انتقال ہوا -

علوم منقول سے تفسیر حدیث وفقہہ اور علوم معقول سے فلسفہ و ریاضی و منطق کا درس ہوا کرتا تھا اور رات میں سفرۂ عام کے بعد ارباب فضل و کمال جمع ہوتے اور مسائل علمی پر بحث مباحثے ہوا کرتے تھے - منگل کا دن عام تعطیل کا دن ہوتا تھا اس روز شعر و سخن کی محفل برپا ہوتی - شعر خوانی کے علاوہ عرب و عجم کے شعرائے متقدمین جیسے متبنی، خاقانی، انوری، سنائی اور مولانا روم کے کلام اور اُن کی کتب شروح کا درس ہوتا مہینے میں دو تین مرتبہ بیرون شہر پر فضا باغات میں علامہ ابن خاتون جشن زرگانہ قائم کیا کرتے جس میں ایرانی اور ہندوستانی حجاب و سفرا کی دعوت ہوا کرتی[۱] قطب شاہی سلطنت کے یہ آخری پیشوا اور صحیح معنوں میں میر محمد مومن کے جانشین تھے وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن کا تعلق فقہہ و حدیث اور کلام سے ہے[۲] ان کو شعر و سخن سے بھی بہت دلچسپی تھی ان کا کلام ناپید ہے « حدایق السلاطین » میں ان کے کلام کا جو انتخاب دیا گیا ہے وہی اب ان کی شاعری کے یادگار نمونوں کے طور پر باقی رہ گیا ہے - « حدایق السلاطین » کا مؤلف ان کے بارے میں لکھتا ہے کہ « درفن بیان و معانی تبحر تمام داشتہ و درعلم ریاضی علم اشتہار برافراشتہ » - الفتی یزدی نے علامہ ابن خاتون کی مدح و توصیف میں جو قطعہ لکھا ہے اس سے علامہ موصوف کی زبردست علمیت اور شعر و ادب میں ان کے مرتبۂ عالی کا اندازہ ہوتا ہے - الفتی یزدی کے قطعہ کے چند اشعار یہ ہیں :-

طراوت گل فضل آب گوہر دانش   سمی حضرت خاتم خدیواہل جہاں
شگفتہ گشتہ ریاض ریاضتش از طبع   شدہ منیر چراغ معانیش زبیان

ز روشنئ عبارت نکات مختصرش   بداں وضوح کہ فہمند صد مطول ازان
ہر آنکہ یک دو قدم در رکاب اوپوید   شود سرآمد مشائیان زطبع رواں

---

[۱] عمادیہ صفحہ ۶۰ تا ۶۲

[۲] علامہ ابن خاتون کی تصانیف میں تذکرہ نگاروں نے ان پانچ کتابوں کا ذکر کیا ہے (۱) شرح الارشادالاذہان (۲) شرح جامع عباسی (۳) شرح اربعین (۴) تکملۂ جامع عباسی (۵) کتاب الامتہ «

آخری زمانے میں علامہ ابن خاتون نے بادشاہ سے حج کیلئے مکۂ معظمہ جانے کی اجازت چاہی اور اس ضمن میں ایک قصیدہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا جس میں یوں عرض مدعا کیا ہے کہ « تقریباً چالیس سال سے میں خانوادۂ قطب شاہی کا آستان بوس ہوں اور اب میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی رو سے حضور والا سے رخصت حج کی التماس کر رہا ہوں » اور پھر کہتے ہیں کہ :-

بندہ را فرض است حج و شاہ را تمکین حج - چوں کنم بر ترک آں پیش مہانت عرضہ داشت

علامہ ابن خاتون عاملی کی یہ عرضی قبول ہوگئی اور وہ بندر مچھلی پٹن کے راستے مکۂ معظمہ روانہ ہوگئے لیکن جب سمندر کا سفر طے کر کے ۱۰۵۹ھ میں بندر رقچا پہنچے تو اچانک اُن کا انتقال ہوگیا [۲]

میر محمد رضا الجوئی شیرازی نے تاریخ وفات لکھی :-

سال تاریخ شیخ می جستم گفت ہاتف کہ «حج شیخ قبول»

« حدائق السلاطین » کے مؤلف نے ابن خاتون کی شاعری کے بارے میں لکھا ہے کہ :-

« مثنویات و غزلیات نیک می فرمود » « حدایق السلاطین » میں ابن خاتون کے کلام کا جو انتخاب درج کیا گیا ہے اسمیں عاملی کی ایک مثنوی اور ایک نعتیہ قصیدہ کے کچھ اشعار بھی شامل ہیں - ہم یہاں عاملی کی غزلوں کے کچھ اشعار « حدایق السلاطین » سے نقل کرتے ہیں - ان اشعار کے مطالعہ سے عاملی کی شاعرانہ رفعت و عظمت کا کچھ اندازہ ہوسکے گا -

شکر خدا کہ دلبر ما شد بکام ما خواندند خطبۂ غم عشقش بنام ما
بزمے کہ جم ز حسرت آن رفت بزم ماست جامے کہ خضر تشنۂ آن بود جام ما
ما مغرب عذار تو در زلف دیدہ ایم داغیست سینۂ سحر از فیض شام ما

وقت آن آمد کہ ازمے جاں دہم پیمانہ را پر گل و نسرین کنم دامان عشرت خانہ را
بے جمالت کے دل تاریک ما روشن شود پرتو خورشید باید ظلمت ویرانہ را

زرخ نقاب برانداز تا دہم جاں را کہ دل بزلف تو دارد درست پیماں را
پئے تسلی اُو بوئے پیرہن کافی است حدیث مصر مگو ئید پیر کنعاں را

سرو ساماں مطلب اے کہ بہ عشقت کا راست
آں سرے در خور عشق است کہ سامانش نیست

سطرے کہ در بیان رموز محبت است ہر نقطۂ بہ علم فلاطوں برابر است
خونے بریخت غمزۂ مردافگنش وائے ہر ناوک نگاہ بصد خوں برابر است
چو دل ز خضر لبت بادۂ حیات گرفت شکستہ کشتی ما ساحل نجات گرفت
چو بگذری بدلم ہوش بر کنار رود مگر خیال لبت عادت شراب گرفت
جہاں اگر بہ نظر تنگ آمدش چہ عجب کسے کہ شوق تو در دل جہاں جہاں دارد
نیست چوں رتبۂ آنم کہ ببوسم دستے شرح شوقے زلب بوسہ بہ پائے برساد
مگو مہجور خود را یاد کردن عالمے دارد کہ از مہ طلعتاں بیداد کردن عالمے دارد

نمی آئی دمے باروئے چوں گل جانب گلشن کہ از ہر گل صدائے خیر مقدم بر نمی آید
دلا بانیک و بد در ساز و خوکن باشکیبائی کہ شاخ گل گہے باگل گہے باخار می سازد

تا رخت را بہ سہو مہ گفتند مہر را آرزوئے ماہی شد
تا بزلف تو یافت شب نسبت روز ہم طالع سیاہی شد
یافت تا رتبۂ گدائی تو عاملی را خیال شاہی شد

رفتیم با خیال رخ او بہ باغ دہر خورشید را معائنہ دیدیم داغ دہر
دل بغارت رفت و سودائے جنونم در سر است دادہ ام سرمایہ از دست و خریدارم ہنوز
بوالعجبہائے محبت بیں کہ از اعجاز حسن کردہ جا در دیدہ و مشتاق دیدارم ہنوز

بہ برد باری خود عاملی بناز کہ دہر رہین خواب گراں از مئے تحمل تست

مہرش چو بیاد دل مد ہوش آید   عقل و خردو ہوش فراموش آید
کشتیِ غم از دلم دور شود   دریاے محبت چو در جوش آید

عاملی کے مندرجۂ بالا اشعار سے اس کی شاعرانہ نکتہ آفرینیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔اس کے کلام میں میرمحمد مومن سے زیادہ پختگی، بلاغت اور بے ساختگی پائی جاتی ہے « حدایق السلاطین » کا مؤلف علی بن طیفور، ابن خاتون کا ہم عصر تھا اس نے لکھا ہیکہ ،، راقم الحروف نسبت بہ آں حضرت (عاملی) علاقۂ بندگی دارد و بزبان گستاخیِ خود را در سلک شاگردانش می شمارد۔

اگر خواہم کہ باشد آبرویم   ہمی گویم کہ من شاگرد اویم
نہ شاگردم غلام کمترینم   بہ گرد خرمن وے خوشہ چینم،،

علی بن طیفور جو خود اپنے زمانہ کا ایک بڑا عالم اور محقق تھا اپنے آپ کو ابن خاتون کا نہ صرف شاگرد بلکہ غلام کمترین بتاتا ہے اور ابن خاتون کے خرمن علم و فضل کی خوشہ چینی پر فخر کرتا ہے۔ اس سے علامہ ابن خاتون کی زبردست شخصیت اور علمی فضیلت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ابن خاتون کاگر پورا کلام محفوظ ہوتا تو بلاشبہ فارسی ادب کا گرانقدر سرمایہ قرار دیا جاتا۔

رضا قلی بیگ

سلطان عبداللہ کا ایک سپہ سالار نیک نام خاں بھی فارسی کا شاعر گذرا ہے۔نیکنام خاں کا اصلی نام مرزا رضا قلی بیگ تھا [1] ۱۰۴۰ھ کے بعد ایران سے ہندوستان آیا اور نواب مہابت خاں کی ملک ملازمت میں داخل ہوگیا۔ مہابت خاں نے ۱۰۴۵ھ میں وفات پائی اس کے بعد رضاقلی نے حیدرآباد کا رخ کیا کچھ دنوں تک ملا اویس کی ملازمت میں رہا جو اندنوں منصب دبیری پر مامور تھا اور پھر کچھ عرصے تک میر محمد سعید میر جملہ کے زمرۂ متوسلین میں شامل رہا۔ اور جب میر محمد سعید میرجملہ نے ۶۶ ۱ھ میں قطب شاہیون سے اپنا ناطہ توڑ لیا اور شاہجہاں کی ملازمت میں شامل ہوگیا تو « رضا قلی » گوشہ نشین ہوگیا۔ اس زمانے میں عبداللہ قطب شاہ نے رضاقلی کو طلب کیا اور اسے قطب شاہی سلطنت کا سپہ سالار مقرر کردیا۔ اور خطاب خانی سے معزز کیا۔ رضاقلی نے علاقۂ کرناٹک کی تسخیر کی مہم شروع کی جس پر میر محمد سعید میر جملہ کی سازشوں کے باعث مغلیہ افواج کا تسلط قائم ہوگیا تھا۔ رضاقلی کو اس مہم میں کامیابی ہوی اور تین چار سال کے اندر اس نے کرناٹک کے اس پورے علاقے پر قبضہ کرلیا جو قطب شاہیوں کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اس معرکتہ آلارا کامیابی سے خوش ہوکر عبداللہ قطب شاہ نے رضاقلی کو نیک نام خان کا خطاب دیا اور وزارت دیوان کی خلعت سے سرفراز

[1] سلطان عبداللہ قطب شاہ کے متعدد سپہ سالار تھے۔ان میں سے ایک سپہ سالار جس کا خطاب نیکنام خان ہے محمد سعید میرجملہ کے بعد کرناٹک کی حکومت پر مامور ہوگیا تھا اس کے حالات فارسی کتابوں سے زیادہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تحریروں میں ملتے ہیں۔ مسٹر وہیلر Wheeler کی کتاب « مدراس دراز منۂ قدیمہ » Madras in Olden Times میں دو جگہ نیک نام خاں کا ذکر آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جبکہ کرناٹک کی حکومت نیک نام خاں کے تفویض تھی قلعہ سینٹ جارج کے انتظامات پر Sir Edward Wirtor (۱۰۷۲ء ۱۰۷۶ء) مقرر تھا اسی زمانے میں نیکنام خاں

اگلے صفحے پر

کیا ۔ اس نے پندرہ سال تک اس عہدۂ جلیلہ کی ذمہ داریوں کو بہ حسن و خوبی انجام دیا ۔ اور ۱۰۸۲ھ میں انتقال کیا ۔ رضا قلی نیک نام خاں ایک صاحب کمال امیر تھا اسے علم و فن سے بڑی دلچسپی تھی ۔ حیدرآباد کے اکثر علما اس کے متوسل تھے « حدائق السلاطین » کے مؤلف علی بن طیفور بسطامی کو رضاقلی اپنے ساتھ ایران سے حیدآباد لایا تھا ۔ علی بن طیفور نے « حدائق السلاطین » میں اسکی بہت تعریف کی ہے اور اس کی مدح میں قصیدے بھی لکھے ہیں ۔ رضا قلی کے سانحۂ ارتحال پر بھی علی بن طیفور نے ایک قطعۂ تاریخ قلمبند کیا اور اس جملے سے اس کی تاریخ وفات نکالی « عیسیٰ زمان بہ آسمان رفت » علی بن طیفور نے رضا قلی نیک نام خاں کی شاعری کے بارے میں لکھا ہیکہ ۔

« آن وزیر بے نظیر طبیعت موزوں داشت و گاہے بگفتن شعر نیز پر داخت »

اور پھر اس کے کلام کا انتخاب پیش کیا ہے ۔ اب رضا قلی کے کلام کا صرف یہی انتخاب محفوظ ہے جو « حدائق السلاطین » کے صفحات پر درج ہے ۔ رضا قلی کے ان اشعار کے مطالعہ سے اس کے ذوق سخن کی نفاست و پاکیزگی کا اندازہ ہوتا ہے ۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں :۔

سلسلہ صفحہ گذشتہ

نے ایک دفعہ قلعہ سینٹ جارج کا محاصرہ کیا اس کے چند روز بعد سرایڈورڈ نے نیک نام خاں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرلئے اور اس کے کہنے سے نیکنام خاں نے علاقۂ مچھلی بندر کا قول کمپنی کے نام لکھدیا ۔ مرزا ابراھیم زبیری اور محمد ہاشم خانی خاں نے لکھا ہے کہ ۱۰۷۶ھ میں یہ عہد علی عادل شاہ ثانی (۱۰۷۳ تا ۱۰۷۶ھ) اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے راجہ سنگھ کچھواہا نے مملکت بیجاپور پر حملہ کیا تو سلطان عبداللہ قطب شاہ نے بارہ ہزار سوار اور ۴۰ ہزار پیدل ہمراہ دے کر نیک نام خاں کو عادل شاہ کی امداد کیلئے بیجاپور روانہ کیا تھا ۔ (عمادیہ ص ۷۵)

عمادیہ کے مؤلف نے مؤرخ خانی خاں کے حوالے سے لکھا ہیکہ «مرزا رضاقلی بیگ ایران کا باشندہ اور شاہ عباس ثانی (۱۰۵۲ھ تا ۱۰۷۷ھ) کے امرائے دربار سے تھا ایک روز شاہ عباس نے شراب خوری کی حالت میں اپنی پرستار خاص نیک نام خاں کو بخش دی اور نشہ کے غلبے میں اسکو نیکنام خاں کے مکان

اگلے صفحہ پر

رسید کار بجائے کہ ایں سیہ چشماں ز شرم جامہ بہ قدر نگاہ می دوزند
بد خواہ کساں بہ ہیچ مقصد نرسد یک بد نہ کند تا بخودش صد نرسد
می رسد نفعم بہ ہر چیزے مداں بے حاصلم لالہ رنگ از روی و آتش از دل من تاب برد
آن را کہ بہ نزد خویش خوانی چوں نور بدیدہا نشیند
وانرا کہ برانی از در خویش پیش کہ رود کجا تشیند

سلسلہ صفحہ گذشتہ

بھیجدیا لیکن نشہ فرو ہونے کے بعد بادشاہ کے غضب اور ظن بد سے بچنے کیلئے نیک نام خاں کو خصی کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا پس اس نے اپنے ہاتھہ سے یہ مصیبت برداشت کی اور جب بادشاہ کو نیکنام خاں کے مقطوع الذکر ہوجانے کا حال معلوم ہوا تو جاں بخشی کردی اس کے بعد نیک نام خاں نے ایران کی سکونت چھوڑدی اور دکن میں آکر قطب شاہ کا مقرب خاص اور دربار کا صاحب اختیار امیر بن گیا ۔ سلطان عبداللہ کی وفات سے ۲۳ روز قبل ۱۰ ذی الحجہ ۱۰۸۲ھ کو نیکنام خان کا انتقال ہوا ۔ مسٹر وھلیر نے بھی اس کے انتقال کی تاریخ یہی بیان کی ہے ۔ نیک نام خاں کی نعش بادشاہ کے حکم سے لنگر فیض اثر کے شاہی گورستان میں مدفون ہوی ۔ قبر اس چبوترہ پر بنائی گئی جس پر سلطان ابراہیم قطب شاہ اور شاہزادہ میرزا محمد امین کے گنبد ہیں ۔ قبر کے سرہانے سنگ سیاہ کی ایک لوح پر سلطان ابوالحسن تاناشاہ کا فرمان کندہ ہے جس کے ذریعہ قبر کے قدام و حفاظ اور لنگر روشنی کے اخراجات کیلئے موضع منگلارم دواماً وقف کیا گیا ہے ۔

علی بن طیفور جو خود اپنے زمانہ کا ایک بڑا عالم اور محقق تھا اپنے آپ کو ابن خاتون کا نہ صرف شاگرد بلکہ غلام کمترین بتاتا ہے اور ابن خاتون کے خرمن علم و فضل کی خوشہ چینی پر فخر کرتا ہے ۔ اس سے علامۂ ابن خاتون کی زبردست شخصیت اور علمی فضیلت کا اندازہ ہوسکتا ہے ابن خاتون کا اگر پورا کلام محفوظ ہوتا تو بلا شبہ فارسی ادب کا گرانقدر سرمایہ قرار دیا جاتا ۔

آذر ساسانی موبد

عبد اللہ قطب شاہ کے زمانے میں کچھہ عرصے کیلئے باہر سے جو شاعر اور ادیب حیدرآباد آئے اور بادشاہ کے بذل و کرم سے فیضیاب ہوئے ان میں ذوالفقار بن آذر ساسانی اور سعید کاشانی سرمد بھی شامل ہیں۔

ذوالفقار ن آذرساسانی موبد تخلص مذہب مزد لینا کا پیرو اور مذاہب وادیان کی مشہور تاریخ « دبستان » کا مصنف ہے [1] سلطان عبد اللہ قطب شاہ کے عہد میں دو مرتبہ حیدرآباد آیا ۔ پہلی مرتبہ ۱۰۵۰ھ میں اور دوسری مرتبہ ۱۰۵۷ھ میں دوسری مرتبہ وہ کم وبیش پانچ سال تک حیدرآباد میں مقیم رہا علامہ محمد ابن خاتون سے اس کے دوستانہ مراسم تھے۔ ۱۰۶۲ھ میں حیدرآباد سے نکل کر تلنگانہ کے مشرقی علاقوں کا سفر کرتا ہوا ۱۰۶۳ھ میں سیکاکول پہنچا۔

---

[1] آزاد بلگرامی۔« مآثر الکرام » طبع آگرہ ص۳۳ صمصام الدولہ «مآثر الامرا» جلد دوم Beale Oriental Biographical Dictionery P 2566

عام طور پر ملا محمد محسن خانی کو « دبستان » کا مصنف سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت میں اس کے مصنف کا صحیح نام جیسا کہ مولانا آزاد بلگرامی اور صمصام الدولہ نے بیان کیا ہے ذوالفقار بن آذر ساسانی ہے ذوالفقار ۱۰۲۸ھ میں یا اس سے کچھہ قبل پٹنہ میں پیدا ہوا ۔ موبد ہشیار نے اسکی پرورش کی بنارس کے ایک خدا پرست جوگی چترویدکے حکم سے اس کے چیلے گنیش من نے اسکی تربیت کی اس نے اپنی عمر کے ۲۷ سال سیر و سفر میں گذارے ۱۰۵۵ھ میں « دبستان » کی ابتدا کی۔داراشکوہ کے قتل یعنی ۱۰۶۸ھ سے پہلے اسکو تمام کیا ۔ اس کتاب میں بلاد مشرق خصوصا ہندوستان کے مروجہ مذاہب کی تاریخ اور ان کے عقاید واعمال کا تذکرہ ہے۔شمس العلماء سرجیون جی جمشید جی مودی نے اپنے تذکرہ « آذر کیوان » کی تمہید میں « دبستان » کا مفصل حال لکھا ہے اور اس میں اس کتاب کے مضامین و مصادر اور اس کے مصنف کی نسبت عالمانہ مباحث تحریر کئے ہیں لیکن اس کے مصنف کا نام معین کرنے میں انکو بھی کامیابی نہیں ہوی ہے اور وہ ذوالفقار کے نام سے جو اس کا مصنف ہے بالکل واقف نہیں «دبستان»طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ ص۲۰۳ Nox 1932 P 7-2

سعید کاشانی سرمد

سعید کاشانی ۔ سرمد تخلص [1] مشہور رباعی گو شاعر ۔ شیخ محمد ابن خاتون کے زمانۂ پیشوائی میں حیدرآباد آیا ۔ اور ۱۰۵۷ھ سے ۱۰۵۹ھ تک یہاں مقیم رہا ۔ ۱۰۵۷ھ میں صاحب « دبستان » نے حیدرآباد میں اس سے ملاقات کی تھی ابن خاتون اس سے رغبت سے ملا کرتے تھے ۔ اس نے ابن خاتون کی مدح میں ایک قطعہ بھی لکھا ہے جو ذیل میں درج ہے

اے کہ مدار عرش را دائرۂ عظیمہ کردہ بخدمت تو صد ہمچو سپہر نوکری
نصف نہار وار کن شام من غریب را گر بہ جناب قطب چون نصف نہار برخوری

ایک روز سرمد کی صحبت میں مصنف «دبستان» حاضر تھا اور جران نام ایک شخص ابن خاتون کی مدح کررہا تھا اس موقع پر سرمد نے کہا کہ شیخ عنقریب سفر آخرت کرینگے ۔ اور میر محمد سعید میر جملہ کو ترقی ملیگی ۔ چنانچہ اسی سال یعنی ۱۰۵۹ھ میں شیخ ابن خاتون کا انتقال ہوگیا

حاشیہ صفحہ گذشتہ

تذکرہ «طاہر نصرآبادی» طبع طہران ص۳۱۰ « مآثر الامرا» جلد اول ص۲۲۶،۲۲۷ جلد دوم ص۷۶۲ « آتشکدہ » طبع بمبئی ۲۷۷ ص۲۴۴ « مرأۃ الخیال طبع بمبئی ص۱۴۱ ۴۰ «نتائج الافکار»طبع مدراس ۲۱۴ «ریاض العارفین» طبع جدید ص۱۴۱

[1] سعید سرمد کاشان کا رہنے والا تھا ۔ دانشوران یہود کی اولاد اور ربانیون کے فرقہ سے تھا علوم حکمت ملا صدر اور ابوالقاسم قندرسکی سے تحصیل کئے تھے ۔ تجارت کا پیشہ اختیار کر کے ہندوستان آیا ۔ پٹنہ میں ایک ہندو بچہ پر عاشق ہوگیا عشق کا اس درجہ غلبہ ہوا کہ مادر زاد برہنہ رہنے لگا۔شہزادہ داراشکوہ اس کا بڑا معتقد تھا اور اپنے مکتوبات میں اسکو پیر و مرشد لکھا کرتا تھا ۔ ۱۰۷۱ھ میں اعتماد خاں ملا عبد القوی کے فتوے پر اورنگ زیب عالمگیر نے اسکو قتل کروا دیا ۔ صاحب « دبستان » نے سرمد کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے درسال ہزار و پنجاہ وہفت چون بہ حیدرآباد رسید باحمد سعید سرمد آشنا شد واو دراصل از نژاد دانشوران یہود است ۔ از گرو ہے کہ ایشاں را ربانیون گویند

اگلے صفحے پر

بعد از اطلاع برعقاید ربانیوں و قرات توریت مسلمان شد و حکمیات در خدمت خرد مندان ایران چوں حکماء صدر او میر ابوالقاسم قندرسکی وجمعے دیگر خواند انجام بر آئین تجار از راہ دریا عازم سفر ہند شد - چوں بہ شہر پتنہ رسید عاشق ہند و پسرے شد و دست از ہمہ چیز باز داشت چوں سنا سیاں برہنہ مادر زاد شدہ بر در معشوق نشست - سرمد، خداوند اشعار نکوست - در مدح شیخ محمد خاتون پیشوائے دارائے نامدار سلطان عبداللہ قطب شاہ گفتہ - شیخ برصحبت سرمد رغبت نمود-روزے کہ نامہ نگار از حضار بود با «جران» نامی کہ ستایش شیخ می کرد گفت «عنقریب شیخ آنچہ اندوختہ باشد متوجہ سفر آخرت خواہد شد و میرمحمد سعید میر جملہ بہ مرتبۂ اور وارد، و ترقی خواہد نمود» - در ہمیں سال شیخ بہ عزم حج از حیدرآباد روان شد-در ہزار و پنجاہ و نہ در بندرمخا روانش از سفینہ تن بہ محیط اطلاق پیوست»

باب پنجم

قطب شاہی سلطنت کا زوال اور خاتمہ

ابوالحسن قطب شاہ

عبداللہ قطب شاہ کے انتقال کے بعد ۱۰۸۳ھ (۱۶۷۲ء) میں قطب شاہی سلطنت کا آخری فرمانروا ابوالحسن قطب شاہ تخت نشین ہوا - ابوالحسن عبداللہ قطب شاہ کا داماد تھا-یہ بات کبھی اس کے وہم و خیال میں بھی نہ آئی تھی کہ اس کے سر پر تاج شاہی رکھا جائے گا - وہ ایک صوفی منش اور خدا ترس انسان تھا - اس دور کے بہت بڑے بزرگ اور صوفی شاہ راجو قتال سے اسے بیعت و عقیدت تھی - وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ عبادت و ریاضت میں صرف کرتا لیکن جب دفعتاً ایک بڑی سلطنت کا بوجھ اس کے کاندھوں پر رکھ دیا گیا تو اس نے دنیوی امور کی جانب بھی اسی دھیان گیان سے توجہ کی جو اسکی روحانی ریاضیت کا فیض تھا - اسے ایک ایسے زمانے میں قطب شاہی سلطنت کی زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا پڑی جبکہ مملکت کا شیرازہ درہم برہم ہو رہا تھا - مرہٹوں اور مغلوں کی یورش نے جنوبی ہند کے سیاسی امن و امان کو متزلزل کردیا تھا - لیکن ابوالحسن نے دکن کی سیاسی تاریخ کے ان نازک ترین لمحات میں بھی اپنے تدبر و فراست کی بدولت ملک کے داخلی و خارجی حالات پر قابو پانے میں زبردست کامیابی حاصل کی - اسکی شرافت نفس اخلاقی جرأت اور صداقت وبے باکی نے بڑی بڑی سازشوں اور طاقتور مخالفتوں پر غلبہ پایا اور قطب شاہی سلطنت کے انتشار و اختلال کے سیلاب کو کچھ مدت کیلئے روک دیا لیکن اس کے زمانے میں خود شاہی دربار دو گروہوں میں بٹ گیا تھا اور ان کی باہمی سازشیں اور رقابتیں سب سے بڑا خطرہ بن گئی تھیں - چنانچہ بالآخر گولکنڈہ کے گھر کو گھر کے چراغ سے آگ لگ گئی ابوالحسن اس آگ کو بجھانہ سکا مغل افواج نے گولکنڈہ کا محاصرہ کیا اور ایک

طویل محاصرہ کے بعد گولکنڈہ کے بعض غدار عناصر کی مدد سے ۲۴/ذیعقدہ ۱۰۹۸ھ (۱۶۸۶ء) کو وہ قلعہ کے اندر داخل ہوگئیں ابوالحسن راضی برضا تھا اس نے ان پر آشوب خارجی حالات کا کوئی اثر قبول نہ کیا اس کے دل میں نہ تو کوئی تردد تھا اور نہ اس کے چہرہ پر اضطراب و پریشانی کے آثار تھے روز مرہ کے معمول کے مطابق اپنے مشاغل صبحگاہی انجام دئے اور پھر ایک بلند ہمت اور صاحب مرتبت بادشادہ کی شان کے ساتھہ ہمیشہ کیلئے اس نے گولکنڈہ کو خیر باد کہا۔ جس وقت وہ قلعۂ گولکنڈہ سے رخصت ہو رہا تھا اس کی زبان پر حافظ کا یہ شعر تھا

سر ارادت ماء آستان حضرت دوست　　کہ ہر چہ بر سرماں رود. ارادت دوست

اور جب وہ مغل شہنشاہ کے آگے پہنچا اس نے یہ شعر پڑھا۔

آخر مرا بہ خاک درت روشناس کرد　　منت گذار سجدۂ پیشانی خودم

اسطرح گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت کا چراغ گل ہو گیا۔

ابوالحسن نے اپنی حکومت کے پر آشوب دور میں بھی علم و ادب کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی وہ ایک عالم اور صوفی منش بادشاہ تھا۔ شعر و سخن اور علم و فن سے اسے گہری دلچسپی تھی۔ خود بھی فارسی اور اردو میں شعر کہتا تھا۔ اس کے زمانہ میں فارسی کے بہت سے شاعر اور ادیب گولکنڈہ میں موجود ہوں گے لیکن اس عہد کے ادبی اور تہذیبی آثار بہت کم باقی رہ گئے ہیں۔ صرف چند شاعروں اور انشا پردازوں کا حال ملتا ہے، جن کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

علی بن طیفور بسطای

قطب شاہی سلطنت کے آخری فرمانروا ابوالحسن قطب شاہ (۱۰۸۵ تا ۱۰۹۸ھ) کے عہد میں علی بن طیفور البسطامی نے «حدائق السلاطین فی کلام الخواقین» کے نام سے ایران و ہندوستان کے صرف ایسے فارسی شعرا کا ایک تذکرہ مرتب کیا جو یا تو تخت و تاج کے مالک رہے تھے یا پھر مختلف سلطنتوں کی اعلی وزارتوں پر فائز رہ چکے تھے[1]

علی بن طیفور عبد اللہ قطب شاہ کے عہد میں حیدرآباد آیا اور اس سر زمین کو اس نے اپنا وطن بنالیا۔ وہ ایک صاحب فکر اہل قلم تھا۔ اس نے متعدد کتابیں تصنیف کیں لیکن ادب کے شعبے میں اسکی تضیف «حدائق السلاطین» بہت اہمیت رکھتی ہے اس لئے کہ اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں علی بن طیفور نے متعدد قدیم تواریخ اور تذکروں سے مدد لی ہے جس کا ذکر اس نے کتاب کے دیباچے میں کیا ہے۔ جن کتابوں کو اس نے اپنی تالیف کا ماخذ بنایا ہے ان کے نام یہ ہیں «تاریخ جیب السیر» - «تاریخ المعجم فی ملوک العجم» «تاریخ عالم آرائے عباسی» «تاریخ قطب شاہیہ» «لب التواریخ» «دستور الوزرا» «تحفہ سامی» «تذکرۂ ہفت اقلیم» اور «تذکرۂ دولت سمرقندی»۔ «حدائق السلاطین» کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علی بن طیفور نے اس تذکرہ کو مرتب کرنے میں بڑی کاوش و تحقیق کی ہے۔ اس کا انداز تحقیق عالمانہ ہے۔ اس نے اپنی تحقیق و تالیف کے ماخذوں کا انتخاب بہت احتیاط سے کیا ہے اور اس زمانے کے عام طریقۂ تذکرہ نگاری سے کچھہ ہٹ کر شعرا کی زندگی کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ سنی سنائی باتوں اور غیر معتبر روایات سے حتی الامکان احتراز

---

[1] «حدائق السلاطین فی کلام الخواقین» کا واحد قلمی نسخہ (ہماری معلومات کی حد تک) سالار جنگ لائبریری حیدرآباد کے شعبۂ مخطوطات فارسی میں محفوظ ہے مخطوطات تذکرۂ فارسی نمبر ۲۱۳۔ اوراق ۱۰۹، مسطر ۱۴ سطری۔ سائز ۱۲x۸۔ خط نستعلیق معمولی۔

کیا ہے - اس کا انداز بیان شگفتہ اور دلپذیر ہے « حدائق السلاطین » ایک باب تین حدیقوں اور ایک فصل پر مشتمل ہے - اس نے پیشداریوں کے زمانے سے اپنا تذکرہ شروع کیا اور اپنے عصر پر لاکر ختم کیا ہے -

قطب شاہی دور کے صرف تین بادشاہ شاعروں کو اس نے اپنے تذکرہ میں جگہ دی ہے جمشید قلی، محمد قلی قطب شاہ، اور سلطان محمد قطب شاہ - حالانکہ اس خاندان کے دو اور بادشاہ عبد اللہ قطب شاہ اور ابوالحسن قطب شاہ نے بھی فارسی میں شعر کہے ہیں اور پھر خود علی بن طیفور انہیں دو بادشاہوں کے عہد کا ادیب تھا - ایسی صورت میں تعجب ہوتا ہیکہ علی نے ان دونوں بادشاہوں کو کیوں نظر انداز کیا - اسکی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس نے اپنے انتخاب کیلئے جو اونچا معیار مقرر کیا تھا اس پر عبد اللہ قطب شاہ اور ابوالحسن قطب شاہ کا کلام پورا نہیں اُترتا تھا-علی بن طیفور کا یہ اقدام یقینا ادب کی دنیا میں ایک جرأت مندانہ اقدام قرار دیا جاسکتا ہے اس سے پتہ چلتا ہیکہ وہ ایک بے باک نقاد اور غیر جانبدار اہل قلم ہے

« حدائق السلاطین » کا سنہ اتمام ۱۰۹۲ھ (۱۶۸۱ء) ہے یعنی قطب شاہی سلطنت کے خاتمے سے چھ سال قبل ابوالحسن قطب شاہ کے آخری عہد حکومت میں علی بن طیفور کا یہ ادبی کارنامہ پایۂ تکمیل کو پہنچا - علی بن طیفور مکہ معظمہ میں پیدا ہوا - بلاد عجم میں نشو و نما پائی - اس کا باپ طیفور بن محمد، بسطام کا رہنے والا تھا اور تفسیر و حدیث کا جید عالم تھا - علی بن طیفور بسطامی، شیخ رضی الدین محمد الحسینی التفرشی کا شاگرد تھا اس نے مختلف فنون میں متعدد کتابیں تصنیف کیں منجملہ ان کے اس کی کی نو کتابوں کے مخطوطے اس وقت دنیا کے مختلف کتاب خانوں میں محفوظ ہیں (۱) تحفۂ ملکی (۲) تحفۂ قطب شاہی - علی بن طیفو و نے یہ کتاب سلطان عبداللہ قطب شاہ کی فرمایش سے گلستان سعدی کی طرز پر لکھی اور اس میں سلاطین و خورقین کا دستور العمل بیان کیا ہے اس کے مضامین ایک

مقدمہ آٹھ ابواب اور ایک خاتمہ پر منقسم ہیں -

کتاب کی ابتدا اس بیت سے ہوتی ہے -

دیباچۂ دیواں چو نگارد سخن آرا
باید کہ کند بر سر آن حمد تو انشا

(۳) شرح عوامل (٤) ترجمۂ مکارم الاخلاق (۵) انوار التحقیق (٦) گنج نامہ در حل لغات شاہ نامہ - اس میں شاہنامۂ فردوسی کے مشکل اور حل طلب الفاظ کی تشریح ہے - اس موضوع پر جسقدر کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سب سے ضخیم اور بہتر کتاب ہے اسے علی بن طیفور نے نیک نام خاں کی فرمائش سے تصنیف کیا - اس کے خاتمہ سے ظاہر ہوتا ہیکہ مصنف نے ۷ جمادی الثانی ۱۰۷۹ھ کو اسکی تصنیف سے فراغت حاصل کی اور تاریخ اختتام سے چار مہینے سات یوم بعد ١٤ شوال ۱۰۷۹ھ کو محمد ابراہیم بن رحمتہ اللہ حسینی نے اسکی کتابت کی-اس کا آغاز حسب ذیل ابیات سے ہوتا ہے -

بنام خداوند جان و خرد — کزیں برتر اندیشہ در نگزرد
چو جان خرد راہمی سنجد او — در اندیشۂ شخص کے گنجد او

(۷) رسالۂ معصومیہ (۸) تحفۃ الغرائب اور (۹) حدایق السلاطین

وحشی کاشانی

قطب شاہی سلطنت کے آخری زمانے میں فارسی کے ایک اور شاعر وحشی کاشانی کا بھی پتہ چلتا ہے جس نے عبداللہ قطب شاہ اور ابوالحسن قطب شاہ کا زمانہ دیکھا اور سقوط گولکنڈہ کے تقریباً پندرہ سال بعد حیدرآباد میں انتقال کیا اور یہیں مدفون ہوا۔ اس کے حالات پردۂ گمنامی میں ہیں۔

صاحب «ریاض الشعرا» نے اس کے دکن آنے کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے گولکنڈہ میں وفات پائی۔ وحشی کاشانی کو تذکرہ نگاروں نے ایک عالم، فاضل اور باکمال شاعر بتایا اور لکھا ہیکہ وہ محتشم کاشی کا شاگرد تھا۔ وحشی کا کلام بھی ناپید ہے۔ تذکروں میں اس کے چند اشعار ملتے ہیں۔ جن میں سے دو شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

تا چشم نیم مست ترا دید روزگار
خاک سیہ بہ کاسۂ چشم غزالہ کرد

زا سیب بوسہ دیدم بر پائے درنشانی
یا رب اگر کہ بوسد آن خاک آستاں را

مجلشی اصفہانی

مجلسی کے حالات بھی نہیں ملتے۔ تذکرہ نگاروں نے اس کے بارے میں "صرف اتنا لکھا ہیکہ وہ اصفہان میں پیدا ہوا شاعری میں محتشم کاشی کے آگے زانوے شاگردی تہ کیا۔ بہت ظریف الطبع اور بذلہ سنج تھا۔ میدان شاعری میں اس کا مرتبہ اپنے معاصر شعرا سے بڑھا ہوا تھا۔ عالم شباب میں ایک مہ جبیں پر عاشق ہو گیا۔ عشق میں کامران رہا۔ کچھ عرصہ بعد اپنی محبوبہ کے ساتھ وارد ہند ہوا اور سیر و سیاحت کرتا ہوا حیدرآباد دکن پہنچا قطب شاہ کے دربار میں باریاب ہوکر منصب عالی پر سرفراز ہوا۔ تا بہ مرگ یہیں رہا۔ ۱۱۰۰ھ میں وفات پائی۔ میر مومن کے دائرہ میں دفن ہوا۔ اس کا کلام نادرالوجود" ہے۔ تذکرہ نگاروں نے اس کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے جو پیش ہے

« در جہاں ہر جا بلائے بود از مادر گذشت
غیر بخت تیرہ کو، چوں سایہ درد نبال ماست »

کتابیات

آتشکدہ — تذکرۂ شعرائے فارسی - حاجی لطف علی بیگ ۱۱۹۳ھ
مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری - تذکرہ ۱۴/۲۰

احسن التواریخ — حسن شاملی - طبع کلکتہ -

احوال سلطان عبداللہ قطب شاہ و بنا نہادن عاشورخانہ وغیرہ -
مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - ۳۴

احوال شہر حیدرآباد
(بہ عہد قطب شاہیہ) مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری ۳۵

اختیارات قطب شاہی —
میر مومن بن علی الحسینی (بہ عہد سلطان محمد قطب شاہ) مخطوطات فارسی
سالارجنگ لائبریری - ۳۱

اردو (سہ ماہی رسالہ) شمارہ جنوری ۱۹۲۲ء

اساس الایمان

اقبال نامۂ جہانگیری

الاسلام -

انشائے قاسم طبسی — مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - ۳۱

آئین اکبری، جلد اول — طبع منشی نولکشور پریس ۱۸۶۹ء

بادشاہ نامہ — ملا محمد وارث

برہان قاطع (فارسی لغت) محمد حسین برہان تبریزی -
مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - نغات ۹۰۸

برہان مآثر ،

بساتین السلاطین

بہارستان سخن
تذکرۂ شعرائے فارسی - عبدالرزاق خوانی المخاطب بہ شاہ نواز خان
صمصام الدولہ مقتول ۱۱۷۱ھ - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری -
تذکرہ ۴/۵

تاریخ ایلچی نظام شاہ
خورشاہ بن قبادالحسینی متوفی ۹۷۲ھ مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری
تاریخ - ۲۱۴

تاریخ دکن — مہاراجہ چندو لعل

تاریخ سلطان محمد قطب شاہی -
ملا عبدالحکیم - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - تاریخ ۸۵/۸۶

تاریخ ظفرۂ دکن — گردھاری لعل - مخطوطات فارسی سالارجنگ
لائبریری - تاریخ - ۸۹

تاریخ عادل شاہی (فارسی) — نوراللہ بن قاضی سید علی محمد الحسینی
مخطوطات فارسی اسٹیٹ سنٹرل
لائبریری، حیدرآباد - تاریخ ۶۷۰۱

تاریخ عالم آرائے عباسی

تاریخ فرخندہ

تاریخ فرشته جلد دوم — مطبوعه بمبئی ۱۲۴۷ھ مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری - تاریخ - ۸۱

تاریخ قطب شاہی :-

قادر خاں بیدری - مطبوعه ۱۳۰۳ھ مطبوعات فارسی سالار جنگ لائبریری - تاریخ ۱۰۲

تاریخ گلزار آصفیه

تاریخ گولکنڈه :- (انگریزی) عبد المجید صدیقی - مطبوعه حیدرآباد

تاریخ ماه نامه :- غلام حسین جوہر - مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو ۵۶۰

تاریخ مختصر قطب شاہی :-

چنی لعل سر رشته دار - مخطوطات فارسی سالار جنگ لائبریری تاریخ - ۱۱۸

تاریخ ہندوستان :- جلد چہارم

تاریخ یادگار مکھن لعل :- رائے مکھن لعل جیو ، مطبوعه حیدرآباد ۱۳۰۳ھ

تحفته الشعرا :-

افضل اورنگ آبادی - مطبوعات اسٹیٹ سنٹرل لائبریری - حیدرآباد تذکره ۲۱

تحفۂ سامی :- سام مرزا - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری

تحفۂ شاهی عطیه الهی

(ترجمۂ شرح تجرید الکلام طوسی) زین الدین علی بدخشی مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - عقائد و کلام - ۲۵

تحفۂ مجلس بہشت آئین

مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری مناقب - ۱۰

تذکرة الشعرا :- محمد عبد الغنی خاں - مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری

تذکرة الکحالین :-

شمس الدین علی حسینی الجرجانی - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری طب ۴۹ -

تذکرة المحققین موسوم به ریاض العارفین :-

رضا قلی خان - مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری تذکره -۱

تذکره حسینی

میر حسین دوست سنبھلی سنه تالیف (۱۱۶۳ھ) مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری -

تذکرۂ خزانۂ عامره

غلام علی آزاد بلگرامی - مطبوعات فارسی سالار جنگ لائبریری - تذکره - ۱۹۵

تذکرۂ خزانۂ عامره

محمد آدم علی - مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری - تذکره - ۳

تذکرۂ ریاض الشعرا :- علی قلی داغستانی

تذکرۂ ریاض الفردوس :- مطبوعه نولکشور پریس

تذکرۂ سرو آزاد :- غلام علی آزاد بلگرامی

تذکرۂ شعرا :- طاہر نصرآبادی - طبع طہران

تذکرۂ شعرا

دولت شاہ بن علاء الدولہ بختشی شاہ سمرقندی - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - تذکرہ - ۱۸

تذکرۂ شعرا

شیخ محمد علی حزیں - مخطوطات فارسی ادارۂ ادبیات اُردو - ۶۲۵

تذکرۂ صبح گلشن

سید علی حسن خاں مطبوعہ مطبع شاہجہاں - مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری - تذکرہ - ۹

تذکرۂ غزالان ہند

غلام علی آزاد بلگرامی - مخطوطات فارسی ادارۂ ادبیات اردو تذکرہ - ۶۰۱

تذکرۂ کلمات الشعرا :- محمد افضل سرخوش

تذکرۂ گل رعنا

لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - تذکرہ - ۳۸

تذکرۂ گلزار اعظم

نواب محمد غوث خاں - مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری - تذکرہ - ۶

تذکرۂ گلشن ابراہیم :- ابراہیم خاں

تذکرۂ مجمع الفصحا

رضا علی خاں - مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری تذکرہ ۳۱-۳۲

تذکرۂ مجمع النفائس :

سراج الدین علی خاں آرزو - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - تذکرہ ۴۱ -

فہرست مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو :- جلد سوم

تذکرۂ مدحت الشعرا :-

محمد ولی بن عثمان ابن محمد علی بیدری - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - تذکرہ - ۴۲

تذکرۂ مرأۃ الخیال — شیرخان بن علی امجد خان لودھی (سنہ تالیف ۱۱۰۲ھ)

تذکرۂ ید بیضا—

غلام علی آزاد بلگرامی - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری تذکرہ ۱ ۵۰/۵

ترجمۂ تاریخ دکن —

میرزا اسمعیل درزی اصفہانی - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری ادب نثر ۲۴۷

ترجمۂ قطب شاہیہ

محمد بن علی المشتہر ابن خاتون العاملی - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - حدیث امامیہ ۱۸ تا ۵۹

ترجمۂ کشکول

شیخ بہاء الدین العاملی - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری کشول ۱

ترجمۂ کوک شاستر

(منظوم) محمد شاہ جامی - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری طب ۵۳/۵۲

ترجمہ مصباح کفعمی

قاضی جمال الدین بن فتح اللہ بن صدرالدین الشیرازی مخطوطوت فارسی سالارجنگ لائبریری - ادعیہ ۴۹

ترجمہ ملکی

ترجمہ عیون اخبار الرضا (بزبان فارسی) علی بن طیفورالبسطامی - اسٹیٹ سنٹرل لائبریری - حیدرآباد - حدیث ۹۵۲

تزک والا جاہی

توزک جہانگیری

جامع عباسی — طبع لاہور -

حبیب السیر

حدائق السلاطین فی کلام الخواقین

علی بن طیفورالبسطامی مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - ادب نظم ۲۱۳

حدیقۃ السلاطین قطب شاہی

مرزا نظام الدین احمد الصاعدی اشیرازی - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - تاریخ ۳۶۹

حدیقۃ السلاطین قطب شاہی

(مطبوعہ) بہ تصحیح و تحشی سید علی اصغر بلگرامی - مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری تاریخ ۳۷۹

حدیقۃ العالم

میرابوالقاسم - مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۱۰ھ - مطبوعات فارسی سالار جنگ لائبریری تاریخ ۱۰۰

حدیقۃ قطب شاہی -

حیات القلوب

ملامحمد باقر بن محمد تقی مجلسی - مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری تاریخ ۴۱۴

خرقۃ کشکول

مشتمل برشش جلد - ابن عماد اصفہانی - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری کشکول ۳

خزانۂ رسول خان

فیض حق چشتی عرف محمد فیض اللہ چشتی مخاطب بہ فضل علی خاں صدیقی آصفجاہی - مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری تاریخ ۶۰۶

دبستان — طبع بمبئی

داستان ادب اردو —

ڈاکٹر محی الدین قادری زور مطبوعہ ۱۹۵۱ء سلسلۂ اشاعت ادارۂ ادبیات اردو شمارہ ۱۶۳

دانش نامۂ شاہی

محمد امین بن محمد شریف استرآبادی - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری عقائد وکلام- ۵۴/۵۵

درۂ اضراب دکن —

مولوی سید احمد شوق - مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری - تاریخ ۲۸۴

دیوان روح الامین موسوم بہ «گلستان ناز»

محمد امین میرجملہ شہرستانی - مخطوطات فارسی سالار جنگ لائبریری ادب نظم ۳۴۸

دیوان سالک یزدی — کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو

دیوان ظل اللہ

سلطان محمد قطب شاہ المتخلص بہ ظل اللہ مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری ادب نظم ٤٠٤

رسالۂ اردو — (سہ ماہی) شمارہ جولائی ١٩٤١ء شمارہ اپریل ١٩٥٤ء

رسالۂ روحیہ (منظوم) — شاہ نعمت اللہ ولی ۔ مخطوطات فارسی سالار جنگ لائبریری ۔ مجموعہ ١٢١/٢٥٣

رسالۂ مقداریہ — میر محمد مومن استرآبادی مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری طب ١٢٧/١٢٨

روضات الجنات

سبحۃ المرجان

سلافۃ العصر — طبع مصر ١٣٢٤ھ

سیاحت نامہ جات موسیو ٹیورنر و موسیو تھیونو

سیر الہند گلگشت دکن —
محمد قادری خان بیدری مطبوعات فارسی اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد ۔ تاریخ ٢٨٦

سوانح دکن
منعم ہمدانی اورنگ آبادی مخطوطات فارسی ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد ٤٢٣

شاہ نامہ منور کلام تاریخ دکن
شیوداس لکھنوی ۔ مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری ادب نثر ٣١٣

شجرۂ دانش (١٠٨ رسالوں کا مجموعہ)
نظام الدین احمد گیلانی ۔ مطبوعات فارسی اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد مجامیع ٣٩

شعر العجم (حصۂ سوم) — شبلی نعمانی

شعر فارسی سلاطین و امرا ۔ مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری ۔ ادب نظم ٨٠

صراط المستقیم و دین قویم :
مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری ۔ عقائد و کلام ٩٧

صوامع الملکوت :۔ شاہ قاضی ۔ مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری ١٣٠

طبقات اکبری : (جلد دوم)

عمادیہ :۔ سید شمس اللہ قادری ۔ شایع کردہ تاریخ آفس حیدرآباد

عمل صالح :۔ (جلد دوم و سوم)

غزلیات و قصائد سلطان
سلطان محمد قطب شاہ ۔ مخطوطات فارسی سالار جنگ لائبریری ۔ ادب نظم فارسی ۔ ١٢٩

فارسی نامۂ ناصری :

فرہنگ نظام

قاموس :- طبع لکھنو ۱۲۹۸ھ

کتاب الامامہ :
محمد بن علی خاتون العاملی - مخطوطات فارسی سالار جنگ لائبریری
عقائد و کلام ۱۰۷

کشف الحجب والاستار

کشف الظنون

کلام الملوک
(سلاطین دکن کا فارسی کلام) مرتبہ میرسعادت علی رضوی مطبوعہ حیدرآباد

کلیات سلطان محمد قطب شاہ
(اردو) مرتبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور مطبوعہ حیدرآباد

کلیات عبداللہ قطب شاہ — مرتبہ سید محمد مطبوعہ حیدرآباد

کلیات نصیرائے ہمدانی
مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - ادب نظم فارسی ۷۹۷

کلیات نوعی
محمد رضا قوچانی نوعی - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - ادب نظم فارسی ۸۰۶

گلستان ناز
دیوان روح الامین - مخطوطات فارسی - سالارجنگ لائبریری - ادب نظم فارسی ۴۸

گلشن ابراہیمی - (جلد اول و

گنج طلسم — (معہ ترجمہ) ف

لب التواریخ — طبع

مآثر الکلام (جلد اول)
میر غلام علی آزاد بلگرامی مطبوعہ

مآثر رحیمی — طبع کلکتہ

مآثر الامرا

مآثر عالمگیری

مآثر قطب شاہی محمودی —

مجمع الامثال
محمد علی جبل رودی - مخطوطات فارس

مجموعہ رسائل تصوف (نظم
جمال الدین محمد اردستانی
حدیث امامیہ ۱۵۸

مجموعہ خرقۃ العلماء
(مشتمل بر شش جلد) ابن
لائبریری تصوف ۳

مجموعہ قطب شاہی -
مخطوطات فارسی سالارجنگ

محبوب الزمن

تذکرۂ شعرائے دکن (حصۂ اول) مؤلفہ عبدالجبار خاں آصفی ملکاپوری - مطبوعہ ۱۳۱۹ء

محبوب الالباب

مطمح الانظار (فارسی مثنوی)

محمد امین میر جملہ شہرستانی - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - ادب نظم ۱۲۲

مکاتیب فارسی

عبدالحسین بن ادہم انصیری (مکاتیب سلاطین دکن) مخطوطات فارسی اسٹیٹ سنٹرل لائبریری، حیدرآباد - تاریخ - ۱۲۱٤

مکتوبات عبداللہ شاہ

بنام داراشکوہ و دیگر سلاطین عادل شاہیہ و امرا و غیرہ - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری - ادب نثر ۲۹۵ ۲۵۸/ ۲۵

منتخب اللباب (حصۂ سوم) —

محمد ہاشم خاں خافی خاں نظام الملکی - مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری - تاریخ ٤۰۷

میخانہ — لاہور

میرمحمد مومن - حیات اور کارنامے

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور - مطبوعہ حیدرآباد

نذر محمد قلی قطب شاہ - سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد

نسب نامۂ قطب شاہی

(قطب شاہی دور کی منظوم تاریخ) فرسی - مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری

نکات دوام دودمان قطب شاہی

حسینی الحسینی الیزدی - مخطوطات فارسی سالار جنگ لائبریری ادب ٤٤٥

واقعات قلی قطب شاہ

مخطوطات فارسی سالارجنگ لائبریری ادب نظم فارسی - ۱۰۱۱

وقایع ایام محاصرہ قلعہ حیدرآباد

میرزا امجد المتخلص بہ عالی المخاطب بہ نعمت خان عالی - مخطوطات فارسی سالار جنگ لائبریری - ادب نثر ٤٦٥-٤٦٤

وقایع گولکنڈہ - مطبوعات فارسی سالارجنگ لائبریری - تاریخ ۳۸٤